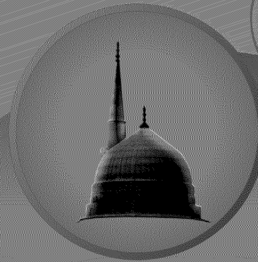
حقوقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

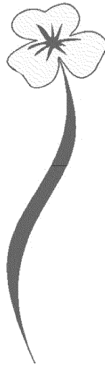
صلاۃ وسلام
نصرت
فہم سیرت
اطاعت
عظمت
ایمان
محبت



سید احمد شہید اکیڈمی
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی



بلال عبد الحی حسنی ندوی



سید احمد شہید اکیڈمی
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

رجب المرجب ۱۴۳۸ھ - اپریل ۲۰۱۷ء

سید احمد شہید اکیڈمیؒ

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب	:	حقوقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
مصنف	:	بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۱۳۶
قیمت	:	Rs.100/-

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء،

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

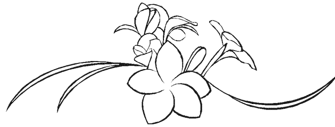
محبت

اطاعت

فہم سیرت

نصرت

صلاۃ وسلام



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا شمار شعائر اسلام میں ہوتا ہے، اس لیے آپ کے ساتھ احترام کا معاملہ کرنا، آپ کی باتوں پر عمل کرنا، آپ کے حکموں کی تعمیل کرنا، آپ سے محبت کرنا تمام اہل ایمان پر لازم ہے، محبت کرنے کی بات تو یہاں تک کہی گئی ہے کہ آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت اپنے ماں باپ، اپنی اولاد سے بھی زیادہ نہ ہو، یعنی ماں باپ سے زیادہ محبت اللہ کے رسول ﷺ سے ہونی چاہیے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”لا یومن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده والناس أجمعین“(۱)

(تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے

(۱)صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان: ۱۵

کہ ان کو آپ ﷺ سے غیر معمولی محبت تھی، ایک صحابی سے ان کے شہید کیے جانے کے وقت معلوم کیا گیا کہ بتاؤ کیا تمہاری جگہ محمد کو (ﷺ) کو شہید کردیا جائے تم اس پر راضی ہو؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کانٹا بھی چبھے ہم کو یہ بھی گوارہ نہیں، چہ جائیکہ ان کو شہید کردیا جائے، صحابہ کرام کو واقعی ایسی ہی محبت تھی، اور اسی محبت کا مطالبہ سارے امتیوں سے ہے کہ آپ سے ایسی محبت ہو جو سوائے اللہ کے کسی سے نہ ہو، نہ ماں باپ سے، نہ اولاد سے، نہ مال و متاع سے، کسی بھی چیز سے اتنا لگاؤ اتنی محبت نہ ہو جتنی اللہ کے رسول سے ہو، کیونکہ جب محبت ہوگی تو انسان آپ کے نمونہ پر عمل بھی کرے گا، آپ کی سنت کی پیروی بھی کرے گا اور آپ کی ہر چیز کو اچھا بھی سمجھے گا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اپنا جائزہ لے کہ اس کو اللہ کے رسول سے کتنی محبت ہے، اور اس محبت کا اندازہ صرف کہنے سے نہیں بلکہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے مقابلہ میں کوئی چیز آجائے، عموماً آدمی کو دنیا کے منافع، مال و متاع اور اولاد سے ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ اس سے دین کے معاملہ میں خلل پڑنے لگتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور یہ فرمادیا کہ تمہاری اولاد، تمہارا مال و دولت، تمہارے لیے فتنہ ہے، فتنہ کے معنی عربی میں لبھا کر آدمی کو اصل راستہ سے ہٹانے کے ہیں، یعنی آدمی شوق میں غلط کام کرنے لگے، کسی چیز کو اتنا پسند کرے اور اس سے اتنا لگاؤ ہو کہ اس کی وجہ سے وہ غلط کام کردے، لیکن اللہ کے رسول سے آدمی کو اگر صحیح محبت ہو، جیسی محبت کا مطالبہ ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوگا، تو پھر وہ شخص ہزار چیزوں کے باوجود بھی اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں کرسکتا، آپ کے جو حقوق ہر انسان پر عائد ہوتے ہیں، ان کے ادا کرنے میں کوئی بھی کوتاہی نہیں کرسکتا، کیونکہ انسان کو جس سے محبت و عقیدت ہوگی وہ اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا، لہٰذا ایمان کے مکمل ہونے اور شریعت پر صحیح عمل کے لیے ضرورت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے حقیقی محبت ہو۔

قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ سے محبت کے ساتھ، ان آداب کو بھی وضاحت

کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، جن کے نہ سمجھنے سے بسا اوقات انسان غیر شعوری طور پر ایمان کے دائرہ سے باہر نکل جاتا ہے، سورۂ حجرات میں اس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے کہ تم اپنے نبی کو سمجھو، ان کا کیا مقام ہے؟ ان کے کیا حقوق ہیں؟ ان کی نگرانی اور سرپرستی اللہ کی طرف سے خصوصی طور پر ہو رہی ہے ان سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہو سکتی جو اللہ تعالیٰ کی پسند کے خلاف ہو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ایک نمونہ ہیں، اس لیے ان کے ساتھ تمہارا برتاؤ اور معاملہ اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی ہر بات کو اللہ کا حکم اور مشیت سمجھا جائے، اور اس پر عمل اس لیے لازماً کرنا ضروری سمجھا جائے کہ یہ خدا کی طرف سے حکم ہے، ہم اس سے روگردانی نہیں کر سکتے۔

حقوق رسول ﷺ کیا ہیں؟ امت کو ان کا سمجھنا ضروری ہے، خوشی کی بات ہے کہ عزیزی مولوی سید بلال عبدالحی حسنی ندوی سلمہ اللہ نے یہ رسالہ اس موضوع پر تیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور مفید بنائے۔ آمین

محمد رابع حسنی ندوی
دائرۂ شاہ علم اللہ (رائے بریلی)

۲۲/۶/۱۴۳۸ھ
۲۲/۳/۲۰۱۷ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

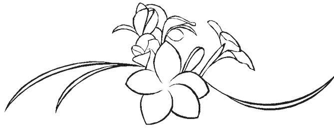
اس دنیا میں اگر کسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے تو وہ ذات سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ہر مسلمان کی زبان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ہے، ہر دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہے، ہر دماغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے نقوش ثبت ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ وہ مسلمان مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں جو ان حقیقتوں تک نہ پہنچ سکے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ بہت سے مسلمان ان تمام چیزوں کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی حقوق سے پوری واقفیت نہیں رکھتے اور بہت سی بنیادی باتوں سے بھی واقف نہیں۔

اس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان حقوق کو مرتب کرکے امت کے سامنے پیش کیا جائے، عربی میں اس پر خاص کام ہوا ہے جن میں خاص طور پر علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الشفا بتعریف حقوق المصطفی" مشہور ہے، لیکن اردو میں اس گنہگار کی نظر سے اس موضوع پر کوئی مکمل اور مختصر کتاب نہیں گذری۔

یوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بے شمار ہیں، لیکن بنیادی طور پر جن حقوق کا تعلق ایمان وعقائد سے ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عم مخدوم ومعظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا مقدمہ

کتاب کے لیے باعث زینت ہے، اللہ تعالیٰ حضرت والا کی عمر میں صحت وعافیت کے ساتھ برکت عطا فرمائے، راقم عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ کا بھی مشکور اور دعا گو ہے کہ حسب سابق انہوں نے کتاب کی تیاری میں مدد کی اور اس کو اشاعت کے قابل بنایا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، اور کتاب کو قبول فرما کر اس گنہگار کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔آمین

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات
تکیہ کلاں (رائے بریلی)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا پر جو احسانات فرمائے اور انسانوں کو انسانیت کا شرف بتا کر ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ﴾ کی جو وضاحت فرمائی، واقعہ یہ ہے کہ اولاد آدم پر کسی مخلوق کا وہ احسان نہیں ہے جو احسان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری انسانیت پر ہے، دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں کہ جس کی گردن محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان سے زیر بار نہ ہو، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو توحید کا سبق دے کر انسانوں کو اپنے جیسے انسانوں، شجر وحجر اور ہر نافع وضار کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں داخل کیا، اور وحدت رب کے ساتھ وحدت اب کی وہ حقیقت انسانوں کے سامنے آشکارا فرمائی جس نے انسانوں کو مساوات کی روشنی عطا کی، اور عزت کے اس مقام پر پہنچایا جس سے وہ نا آشنا تھا، عورت کا اعتبار بحال کیا، اور اس کو اس کے حقوق دیئے، انسانوں کو مایوسی سے نکال کر اس کے اندر امیدوں کی کرنیں روشن کیں، دین و دنیا کی دوری کو مٹایا، اور امن وسلامتی کی فضا بحال کی، دین کے ساتھ علم کے رشتہ کو استوار کیا، اور علم کے خشک سوتے جاری کئے، اور علم نافع کی طرف دنیا کو متوجہ فرمایا، عقل وتدبر کی اہمیت بتائی، اور اس کو اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے کا ذریعہ فرمایا اور خاص طور پر امت مسلمہ کو دنیا کا محاسب قرار دیا، تاکہ انسانوں میں توازن قائم رہے، اور اخلاق وکردار کی وہ سطح باقی رہے جو انسانوں کے لیے وجہ امتیاز ہے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عالمی

تہذیب کو فروغ دیا، جو عقیدہ کی وحدت پر قائم کی گئی، جو انسانیت کی ایک ضرورت ہے، اور دنیا کے لیے وجہ نجات ہے۔(۱)

آپ ﷺ نے وہ ضابطہ حیات متعین فرمایا جو ہر انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے مشعل راہ ہے، حاصل یہ ہے کہ زندگی کی گاڑی تباہی کی جس ڈھلوان پر پڑ گئی تھی، آپ ﷺ نے اس کا رخ درست کیا اور نجات ابدی کا اس کو راستہ بتایا۔

آپ ﷺ کے ان عظیم اور لامتناہی احسانات کا بدلہ نہ کوئی دے سکا ہے اور نہ دے سکے گا، لیکن اس کے نتیجہ میں جو حقوق انسانیت پر عائد ہوتے ہیں وہ بھی بے شمار ہیں، ان میں سب سے پہلا فرض اور بنیادی حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر سچا ایمان ہو اور اس ایمان کا مستقل جائزہ بھی لیا جاتا رہے، اس میں خدانخواستہ کمزوری پیدا ہوگی تو پوری عمارت متزلزل ہو جائے گی، دوسرا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عظمت دل میں جاگزیں ہو، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر پر یقین ہو، پھر تیسرا حق محبت ہے، وہ محبت جو عقل اور دل دونوں میں سما جائے اور ہر چیز پر غالب ہو، چوتھا حق اطاعت کا ہے، یہ ہر امتی کے فرض منصبی میں داخل ہے اور یہی آپ ﷺ پر ایمان، آپ کی عظمت ومحبت کا تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر لمحہ میں آپ ﷺ کی پیروی کی جائے۔

یہ بھی اہل ایمان پر حق ہے کہ وہ آپ ﷺ کی زندگی کو سمجھنے کی کوشش کریں، سیرت کا صحیح فہم وادراک امت کی ذمہ داری ہے، چھٹا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی، آپ ﷺ کے کام کی، آپ کی شریعت و دین کی نصرت کی جائے، اور یقیناً آنحضور ﷺ کا بہت بڑا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔ ذیل میں انہیں چند اہم حقوق کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور آنحضور ﷺ نے ان کی وضاحت حدیثوں میں فرمائی ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ایمان

رسولوں میں آخری رسول حضرت محمد ﷺ جن کی امت میں ہم کو پیدا کیا گیا ہے سب نبیوں کے سردار ہیں، آنحضور ﷺ کی رسالت پوری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، آپ ﷺ پر وحی الٰہی کا سلسلہ مکمل ہو چکا، اب کسی پر وحی نہیں آسکتی، اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس پر وحی آتی ہے یا اس کا الہام وحی کے درجہ کا ہے اور اس کی اتباع ضروری ہے تو وہ جھوٹا اور گمراہ کرنے والا ہے۔

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا پوری انسانیت پر سب سے پہلا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے، اور آپ ﷺ کو اللہ کا نبی و رسول دل و جان سے تسلیم کیا جائے، اور زبان سے اس کا اقرار بھی ہو، ایک مسلمان اسی وقت مسلمان ہو سکتا ہے جب وہ اللہ کے ساتھ اللہ کے نبی ﷺ پر بھی ایمان لائے، قرآن مجید میں جا بجا اس کا حکم ہے:

﴿فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾ (التغابن: ۸)

(ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول (ﷺ) پر)

مزید ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً☆لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾ (الفتح: ۸-۹)

(یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور خبردار

کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ)

سورۂ اعراف میں فرمایا:

﴿فَآمِنُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (الأعراف: ۱۵۸)

(تو اللہ کو مانو اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی کو (مانو) جو اللہ پر اور اس کی باتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ)

یہ بات بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی کہ اللہ کے ساتھ اس کے نبی پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، اس کے بغیر اسلام معتبر نہیں، فرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيراً﴾

(الفتح: ۱۳)

(اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کو نہ مانے گا تو یقیناً ہم نے انکار کرنے والوں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے)

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تصدیق ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی لے کر آئے ہیں اس کی بھی تصدیق ہو، اور یہ تصدیق دل سے بھی ہو اور زبان سے بھی۔

اب ذیل میں وہ تفصیلات نقل کی جارہی ہیں، جن کا ماننا مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے اور یہ سب باتیں عقیدۂ رسالت میں شامل ہیں، ان کے بغیر ایمان بالرسالہ مکمل نہیں ہوسکتا۔

اللہ کے بندے اور رسول

(۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں۔

(۲) اور اللہ کے رسول ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت اور تاکید

فرمائی ہے:

”إنما أنا عبد اللّٰه و رسوله فقولوا عبد اللّٰه و رسوله“(۱)

(یقیناً میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، تو تم مانو اور کہو کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)

آنحضرت ﷺ کے لیے معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے جو لفظ استعمال فرمایا، وہ عبد کا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی﴾ (بنی اسرائیل: ۱)

(وہ ذات پاک ہے، جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف)

اس کے علاوہ بھی متعدد جگہ آنحضور ﷺ کے لیے قرآن مجید میں عبد کا لفظ استعمال ہوا، ایک جگہ ارشاد ہوا:

﴿فَأَوْحَی إِلَی عَبْدِہِ مَا أَوْحَی﴾ (النجم: ۱۰)

(پھر اللہ نے اپنے بندہ پر جو وحی کرنی تھی وہ اس نے کی)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّہُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّہِ یَدْعُوہُ کَادُوا یَکُونُونَ عَلَیْہِ لِبَداً﴾

(الجن: ۱۹)

(اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اس کو پکارتا ہے تو وہ اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگا لیتے ہیں)

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَإِن کُنتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَی عَبْدِنَا﴾ (البقرۃ: ۲۳)

(اور اگر تم اس چیز کے بارے میں ذرا بھی شبہ میں ہو جس کو ہم نے

---

(۱) مسند أحمد: ۳۹۸، بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ”واذکر فی الکتاب مریم“: ۳٤٤٥

اپنے بندے پر اتارا ہے)

رسالت سے پہلے عبودیت کا ذکر خود حضور ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ بندگی جتنی مکمل ہوگی انسان اتنا ہی کامل ہوگا، آپ ﷺ کو جو کمال بندگی حاصل تھا وہ کسی کو نہ حاصل ہوا اور نہ ہو سکے گا، اسی لیے جو مقام و مرتبہ آپ ﷺ کو حاصل ہے وہ کسی کو نہ حاصل ہوا اور نہ ہو سکے گا۔

نبیوں کے سردار

(۳) آپ ﷺ سید المرسلین ہیں، تمام رسولوں کے سردار و امام ہیں، ایک صحیح حدیث میں خود آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"أنا سيد ولد آدم يوم القيامة و أول من ينشق عنه القبر و أول شافع و أول مشفع"(١)

(میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں اور سب سے پہلے قبر سے مجھے ہی نکالا جائے گا اور سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی)

ایک روایت میں ارشاد ہے:

"أنا سيد الناس يوم القيامة"(٢)

(میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا)

البتہ کنز العمال کی روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

"أنا سيد المرسلين اذا بعثوا"(٣)

(میں قیامت کے دن تمام نبیوں کا سردار ہوں گا)

(١)صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب تفصيل نبينا على جميع الخلائق: ٦٠٧٩

(٢)صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها: ٥٠١

(٣)كنزالعمال، كتاب الفضائل من قسم الأفعال فى الفصل الثالث: ٣٢٠٤٣

سب سے بڑھ کر اللہ کے محبوب

(۴) کل جہانوں میں آنحضور ﷺ اللہ کو سب سے بڑھ کر محبوب ہیں، کسی کو بھی یہ مقام محبت حاصل نہیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، حدیث میں آیا ہے: ایک مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیازی صفات کا ذکر آیا تو آنحضور ﷺ نے اخیر میں فرمایا:

"وأنا حبيب الله ولا فخر، أنا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر، وأنا أول شافع وأول مشفع يوم القيامة ولا فخر، وأنا أول من يحرك حلق الجنة فيفتح الله لي فيدخلنيها ومعي فقراء المؤمنين ولافخر، وأنا أكرم الأولين والآخرين ولا فخر"(۱)

(اور میں اللہ کا محبوب ہوں، اور قیامت کے دن لوائے حمد میرے ہی پاس ہوگا، اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا، اور میری شفاعت ہی سب سے پہلے قبول ہوگی، اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلواؤں گا، تو وہ میرے لیے کھولا جائے گا، تو میں اس میں داخل ہوں گا، اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے، اور مجھے ہی اولین وآخرین میں سب سے بڑھ کر عزت ملی ہے، اور میں یہ سب بطور فخر کے نہیں کہتا بلکہ یہ ایک حقیقت کا اظہار ہے)

مقام محبت خاص کے ساتھ اللہ نے آپ کو مقام خلت بھی عطا فرمایا، ایک حدیث میں آتا ہے:

"إن اللّٰه تعالىٰ قد اتخذني خليلاً كما اتخذ إبراهيم خليلاً"(۲)

(جس طرح اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اسی طرح مجھے بھی

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل النبي: ۳۹۷٦

(۲) مسلم، کتاب المساجد، باب النهي عن بناء المساجد على القبور...: ۱۲۱٦

خلیل بنایا)

اس طرح اللہ نے آنحضور ﷺ کو مقام خلت عطا فرمایا، جو حضرت ابراہیم کو عطا کیا گیا تھا، وراس کے ساتھ محبت خاص کا وہ مقام بھی دیا جو آپ ﷺ کا امتیاز ہے۔

آخری رسول

(۵) آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پر مکمل کر دیا گیا، اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اللہ فرماتا ہے:

﴿وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (الأحزاب:٤٠)

(البتہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں)

حدیث صحیح میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن لي أسماء أنا محمد و أنا احمد و أنا الماحي يمحو اللّٰه بي الكفر و أنا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي و أنا العاقب و العاقب الذي ليس بعده أحد"(١)

(میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور میں ماحی ہوں، اللہ تعالی میرے ذریعہ کفر کو مٹاتا ہے، اور میں حاشر ہوں میرے (نقش) قدم پہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور میں عاقب ہوں ایسا عاقب کہ اب میرے بعد کوئی نہیں)

تمام جہانوں کے رسول

(٦) آپ ﷺ کی بعثت تمام انسانوں اور جناتوں کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً﴾ (سبا:٢٨)

(اور ہم نے آپ کو تمام ہی لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور

---

(١)صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب في أسمائه صلى اللّٰه عليه وسلم:٦٢٥٢

خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے)

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾

(الاعراف:١٥٨)

(کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہوں)

﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ﴾

(الانعام:١٩)

(اور اس قرآن کی وحی مجھ پر اسی لیے کی گئی تاکہ اس کے ذریعہ میں تمھیں اور جس تک یہ پہنچے اسے خبردار کروں)

ایک حدیث میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كان النبي يبعث إلىٰ قومه خاصة و بعثت إلىٰ الناس عامة"(١)

(نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کے لیے بھیجا گیا)

دوسری حدیث میں آتا ہے:

"و الذي نفس محمد بيده، لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي و لا نصراني، ثم يموتوا و لم يؤمن بالذي ارسلت به، إلا كان من اصحاب النار"(٢)

(اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، میری اس امت میں سے کوئی بھی شخص میرے بارے میں سنے چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو، پھر وہ اس پر ایمان نہ لائے جو میں لے کر آیا ہوں اور اسی حال میں مر جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا)

آنحضور ﷺ کی رسالت کا دائرہ صرف انسانوں اور جناتوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ آپ تمام جہانوں کے نبی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(١)صحيح البخاري، كتاب التيمم، باب حدثنا عبد الله بن يوسف:٣٣٥

(٢)مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمد الى جميع الناس:٤٠٣

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)

(اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

خود آپ ﷺ سے تمام انسانیت کو خطاب کرایا جا رہا ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾

(الأعراف: ۱۵۸)

(کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہوں)

تمام انسانوں کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُواْ خَيْراً لَّكُمْ﴾ (النساء: ۱۷۰)

(اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے رسول حق لے کر آ چکا، بس ایمان لے آؤ کہ تمہارا بھلا ہو)

منکروں کو آگاہی

آپ ﷺ کے بارے میں پہلے یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کی طرف سے مبعوث ہیں، اور آپ جو لے کر آئے وہ سب حق ہے، اللہ کی طرف سے ہے جس میں کسی شبہ کا کوئی گذر نہیں، جب سچی باتیں تمہارے پاس آ چکیں تو اب انتظار کس بات کا ہے، تمہارے لیے بھلائی اسی میں منحصر ہے، تو اس کو مان لو، بس آیت شریفہ میں پہلے اطلاع دی گئی پھر ایمان کا حکم دیا گیا اور آگے آگے دھمکی آمیز انداز میں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ

﴿وَإِن تَكْفُرُواْ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَكَانَ اللّهُ عَلِيماً حَكِيماً﴾ (النساء: ۱۷۰)

(اور اگر تم نہیں مانتے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے)

آیت کے اس حصہ میں دو باتیں ارشاد فرمائی جارہی ہیں، ایک تو یہ کہ جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، سب تصرف اسی کا ہے، وہ سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے نافرمانوں کو، اور دوسرا حصہ یہ واضح کررہا ہے کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ چھوٹ کر نکل جاؤ گے تمہارے سب کرتوتوں کا علم اللہ کو ہے، وہ تمہاری گرفت کرے گا، پھر یہ بھی وضاحت کی جارہی ہے کہ اس کے سب کام پر از حکمت ہیں، تمہیں ابھی سے بتایا جارہا ہے کہ تم اصلاح کرلو، اپنے عقیدہ و ایمان کو درست کرلو، اور اس آخری نبی کو مان لو اسی میں تمہاری کامیابی ہے، ورنہ تمہیں اس کا بھگتان بھگتنا پڑے گا۔

دوسری آیت میں اور سخت انداز سے ڈرایا جارہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيراً﴾ (الفتح: ۱۳)

(اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کو نہ مانے گا تو یقیناً ہم نے انکار کرنے والوں کے لیے دہکتی آگ تیار کررکھی ہے)

ایمان کیسا ہو؟

یہ ایمان کتنا مضبوط ہونا چاہیے اور اس کے کیا تقاضے ہیں؟ اس کا تذکرہ ان آیات سے ہوتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (النور: ٦٢)

(بلاشبہ مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو وہ بغیر ان کی

اجازت کے چلے نہیں جاتے، بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں پھر اگر وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت لیں تو آپ جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت چاہیں یقیناً وہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)

غزوۂ خندق کا موقع ہے، سخت سردی کا زمانہ اس کے ساتھ فقر و فاقہ، پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے، دوسری طرف دشمن قبائل کی یلغار اس کا برداشت کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، اللہ نے یہ آزمائش ڈالی اور مومن اور منافق الگ الگ کردیئے، ایمان والے جمے رہے اور منافقین چپکے چپکے کھسکتے رہے، بہانے کر کر کے اور حیلے تلاش کر کر کے جاتے رہے، لیکن اہل ایمان اس کسوٹی پر پورے اترے، اگر شدید ضرورت ہوتی بھی تو آپ ﷺ سے اجازت لے کر جاتے۔

اس آیت میں یہ بات صاف کردی گئی کہ سخت حالات میں بھی ایمان پر قائم رہنا اور آنحضور ﷺ کی پیروی کرنا اور آپ ﷺ کے طریقہ سے سر مو بھی انحراف نہ کرنا سچے ایمان کا تقاضہ ہے۔

پھر ایمان اتنا مضبوط ہونا چاہیے جو ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک ہو، اور اس کی بنیاد اتنی مضبوط ہو کہ سخت سے سخت حالات میں بھی اس کو ڈگمگا نہ سکیں، ایسے طاقتور ایمان رکھنے والوں کا اللہ تعالیٰ یوں تذکرہ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (النور: ٦٢)

(بلاشبہ مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین رکھتے ہیں)

یہ پہلی وضاحت ہے کہ ایمان جب ہی ہوگا جب وہ اللہ پر بھی ہو اور اس کے رسول پر بھی، اگر کوئی تنہا وحدانیت کا قائل ہو، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کو نہ مانے تو وہ مسلمان نہیں، پھر آگے اس ایمانی طاقت والوں کا بیان کیا جا رہا ہے کہ

﴿ثُمَّ لَمُ يَرُتَابُوا﴾ (الحجرات: ۱۵)

(ان کو ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا)

یقین کی کیفیت ان کو حاصل ہوتی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

﴿وَجَاهَدُوا بِأَمُوَالِهِمُ وَأَنفُسِهِمُ فِيُ سَبِيُلِ اللَّهِ﴾(الحجرات: ۱۵)

(اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے انھوں نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا)

پھر فرمایا:

﴿أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحجرات: ۱۵)

(یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسُتَخُلَفِيُنَ فِيُهِ﴾

(الحدید:۷)

(اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ نے تمہیں جس چیز میں جانشین کیا ہے اس میں سے خرچ کرو)

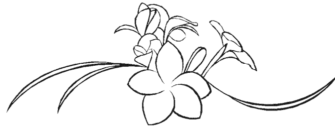
اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ آدمی دنیا کو آخرت کی کھیتی بنائے، اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے، اللہ نے ان ایمان والوں کے لیے جو خرچ کرتے رہتے ہیں بڑا اجر رکھا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَالَّذِيُنَ آمَنُوا مِنكُمُ وَأَنفَقُوا لَهُمُ أَجُرٌ كَبِيُرٌ﴾ (الحدید: ۷)

(بس جو لوگ تم میں ایمان لائے اور انھوں نے خرچ کیا ان کے لیے بڑا اجر ہے)

قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ایمان کے ساتھ خاص طور پر اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ بات صاف کردی ہے کہ

رسول پر ایمان لائے بغیر اللہ پر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، اور ظاہر ہے جو رسول کو مان لے گا وہ اللہ کے فرشتوں اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں کو بھی مانے گا، یہی وجہ ہے کہ مفصل ان تمام چیزوں پر ایمان کا تذکرہ دو تین جگہ میں کیا گیا ہے، لیکن اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کا تذکرہ بار بار کیا گیا ہے کہ ایمان کی یہ وہ دو بنیادیں ہیں جن سے تمام عقائد وابستہ ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بعد آخرت پر ایمان، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر اور تقدیر پر ایمان ضروری ہے اور حقیقت میں یہ اس کا تتمہ ہے۔



عظمت

ایمان کے بعد آنحضور ﷺ کا دوسرا حق یہ ہے کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تمام مخلوقات میں آپ ﷺ کو جو بلندی بخشی گئی اور جو مقام عطا ہوا، وہ کسی کو نہ عطا ہوا ہے اور نہ ہوگا، ہر ایمان والے کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے، جس کی کچھ تفصیل ''ایمان'' کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

مقام محمود آپ ﷺ کو ملا، شفاعت عظمیٰ آپ ﷺ کے لیے ہے، معراج پر آپ ﷺ لے جائے گئے، آپ آخری نبی ہیں، ان کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے، سب سے بڑی امت آپ ﷺ کی ہے، اور کل قیامت میں آپ ﷺ اس پر فخر فرمائیں گے:

"أنا مكاثر بكم الأمم"(۱)

(تمہارے ذریعہ میں امتوں پر فخر کروں گا)

آپ کی بعثت بعثت مقرونہ ہے، آپ کے ساتھ صحابہ کی جماعت بھی بھیجی گئی ہے، اور ارشاد ہوا:

﴿كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ بِالۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ

---

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح: ١٨٤٦

عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین"(۱)

(تمھیں آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں)

شفاعت عظمیٰ اور مقام محمود

آپ ﷺ سید الخلائق ہیں، تمام نبیوں کے سردار ہیں، آپ ﷺ کو مقام محمود عطا ہوا، اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً﴾ (الاسراء: ۷۹)

(امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا)

یہ وہ حق شفاعت ہے جو صرف آپ ﷺ کو دیا گیا ہے، صحیح روایات میں متعدد صحابہ نے اس کو نقل کیا ہے۔(۲)

آنحضور ﷺ کی شفاعت کے سلسلہ میں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی متعدد صورتیں ہوں گی، سب سے پہلی صورت جو شفاعت عامہ کی شکل میں ظاہر ہوگی اس کا تذکرہ احادیث صحیحہ میں بکثرت آیا ہے:

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبد اللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں

(۱)سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب الأرض يصيبها البول: ۳۸۰

(۲)ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله عسى أن يبعثك ربك مقاما محمودا، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعة

سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ ''قیامت کے ہول ناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے، اور کہیں گے کہ ''آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا، خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے''، وہ جواب دیں گے کہ ''میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا، نفسی نفسی!

لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے کہ ''آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے، وہ کہیں گے کہ ''ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا، وہ اپنی قوم کی تباہی کے لیے مانگ چکا، نفسی نفسی!!

تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ'' مخلوق ان کے پاس جائے گی، اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ ''آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے'' وہ بھی کہیں گے ''میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، نفسی نفسی!! تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ''

لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا نے اپنے پیغام و کلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے، اپنے خدا سے ہمارے لیے

سفارش کیجئے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کونہیں دیکھتے؟'' حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ: '' آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا، اور نہ ہوگا، میں نے ایک ایسے شخص کوقتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی نفسی!!

تم لوگ عیسی علیہ السلام کے پاس جاؤ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ '' اے عیسیٰؑ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گود میں کلام کیا، اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے، وہ بھی کہیں گے '' یہ میرا رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا، نفسی نفسی!!

تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ'' مخلوق آپ ﷺ کے پاس آئے گی، اور کہے گی '' اے محمد ﷺ! آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں جس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں، آپ ﷺ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے''۔ آپ ﷺ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے، اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے، آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا، جو کسی اور کے لیے نہیں کھولا گیا، اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ ﷺ کے دل میں القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القاء نہ ہوئے، آپ ﷺ دیر تک سر بہ سجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی، '' اے محمد ﷺ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی''۔ عرض کریں گے '' الٰہی! امتی امتی! خداوندا میری امت، میری امت''، حکم ہوگا '' جاؤ، جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اس کو نجات ہے''۔

آپ ﷺ خوش خوش جائیں گے، اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد وثناء کر کے عرض پرداز ہوں گے، اور سجدہ میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی کہ ''اے محمد ﷺ ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی''۔(۱)

آپ کی سفارش سے راستے کھل جائیں گے، اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

آپ ﷺ کی دوسری سفارش پل صراط پر گزرتے وقت ہوگی اس کا تذکرہ روایت میں آتا ہے، اس وقت تمام انبیاء وصالحین اور مومنین کا شعار یہی ہوگا کہ ''رب سلم، رب سلم'' کا ورد کر رہے ہوں گے، یہ متفق علیہ روایت ہے، آپ ﷺ کی اس دعا اور سفارش سے نہ جانے کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، پھر تیسری صورت شفاعت کی یہ ہوگی کہ جہنم میں جانے کے بعد آپ ﷺ امت کے اہل ایمان کی سفارش فرمائیں گے، یہ سفارش مرحلہ وار ہوگی، ب سے پہلے آپ ﷺ کی سفارش سے بڑی تعداد میں لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے، پھر اسی طرح دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ بھی یہاں تک کہ رائی کے برابر بھی اگر دل میں ایمان ہے تو وہ آپ کی شفاعت سے جہنم سے نکالا جائے گا، مختلف صحیح روایات میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

شفاعت کی ایک قسم وہ بھی ہے جس میں آپ ﷺ بعض ان اہل شرک وکفر کو جہنم کی گہرائی سے ہلکے عذاب میں لانے کی سفارش فرمائیں گے اور وہ سفارش قبول ہوگی۔

عن عبد الله بن الحارث قال: سمعت العباس يقول: قلت يا رسول الله! ان أبا طالب كان يحوطك وينصرك فهل نفعه ذلك، قال: نعم وجدته في غمرات من النار فأخرجته الى ضحضاح.(۲)

---

(۱) مأخوذ از: سیرۃ النبی، ج:۳/ ۸۶۵-۸۶۷، طبع سوم

(۲) مسلم، كتاب الايمان، باب شفاعة النبي لأبي طالب والتخفيف عنه بسببه: ۵۳۲

(حضرت عبداللہ بن حارثؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس کو فرماتے ہوئے سنا، کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت فرمایا: ابوطالب آپ کی بہت حمایت ونصرت میں رہتے تھے، کیا ان کو اس کا کچھ فائدہ حاصل ہوا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میں نے ان کو جہنم کی گہرائی میں پایا تو میں ان کو اس گہرائی سے اوپری سطح تک لے آیا)

معراج

آپ ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا، آپ ﷺ نے جنت، دوزخ کی سیر فرمائی، ساتوں آسمانوں کو دیکھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو اپنے پاس بلایا، یہ معراج روحانی بھی تھی اور جسمانی بھی، قرآن مجید میں پوری ایک سورہ اسی نام سے اتری اور اس کا آغاز واقعہ معراج کے بیان سے ہی ہوا:

﴿سُبۡحَانَ الَّذِیۡ أَسۡرَی بِعَبۡدِہِ لَیۡلاً مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ إِلَی الۡمَسۡجِدِ الأَقۡصَی الَّذِیۡ بَارَکۡنَا حَوۡلَہُ لِنُرِیَہُ مِنۡ آیَاتِنَا إِنَّہُ ہُوَ السَّمِیۡعُ البَصِیۡرُ﴾ (الاسراء: ۱)

(پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے آس پاس ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھادیں بلاشبہ وہ خوب سنتا خوب جانتا ہے)

سورۂ نجم میں بھی اس کا تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿وَالنَّجۡمِ إِذَا ہَوَی☆مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوَی☆وَمَا یَنطِقُ عَنِ الۡہَوَی☆إِنۡ ہُوَ إِلَّا وَحۡیٌ یُوحَی☆عَلَّمَہُ شَدِیۡدُ الۡقُوَی☆ذُو مِرَّۃٍ فَاسۡتَوَی☆وَہُوَ بِالۡأُفُقِ الۡأَعۡلَی☆ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّی☆فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ أَوۡ أَدۡنَی☆فَأَوۡحَی إِلَی عَبۡدِہِ مَا

أَوْحَى ☆مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ☆ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى ☆وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ☆عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ☆عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ☆إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ☆مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ☆لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ (النجم:۱-۱۸)

(ستارے کی قسم جب وہ غروب ہو،تمہارے (ساتھ رہنے والے) صاحب نہ راستہ بھٹکے نہ ادھر ادھر ہوئے، اور وہ خواہش سے نہیں کہتے ،وہ تو صرف وحی ہے جوان پر کی جاتی ہے،ان کوایک زبردست طاقت والے نے تعلیم دی ہے، جو مضبوط ہے بس وہ آن کھڑا ہوا، جبکہ وہ افق کی بلندیوں پر تھا، پھر وہ قریب ہوا تو جھک پڑا،بس دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اور کم ، پھر اللہ نے اپنے بندہ پر جو وحی کرنی تھی وہ اس نے کی ،جو انھوں نے دیکھا دل نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی، پھر وہ جو دیکھ رہے تھے کیا اس پر تم ان سے جھگڑتے ہو،اور انھوں نے تو اس کو ایک مرتبہ اور اترتے ہوئے دیکھا،سدرۃ المنتہی کے پاس ،جس کے قریب جنت الماویٰ ہے،جب سدرہ کو ڈھانپنے والی چیز ڈھانپ رہی تھی، نہ نگاہ ادھر ادھر ہوئی اور نہ اس نے تجاوز کیا ،انھوں نے یقیناً اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

ختم نبوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا،اور یہ اعلان ہو گیا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً﴾(الأحزاب: ۴۰)

(محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں البتہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں پر مہر ہیں اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے)

تمام نبیوں کو خاص قوموں اور خاص زمانوں اور خاص علاقوں کے لیے بھیجا گیا، لیکن خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کا دائرہ ایک طرف ساری دنیا کو سمیٹے ہوئے ہے، تو دوسری طرف قیامت تک کے لیے ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو جو شریعت ملی اس میں انسانی نفسیات اور اس کی عقلی و جسمانی سطح کی جو رعایت ملتی ہے وہ کسی نظام شریعت میں نہیں ملتی۔

صاحب کوثر ﷺ

یہ بھی حضور ﷺ کی عظمت ہے کہ سورۂ کوثر آپ ﷺ کی شان میں اتری، ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ☆فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ☆إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ (الکوثر: ۱-۳)

(یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دی ہے، تو آپ اپنے رب کے لیے نمازیں پڑھیں اور قربانی کریں، آپ کا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے)

"کَوْثَر" خیر کثیر کو کہتے ہیں جس میں یہاں خاص طور پر حوض کوثر مراد ہے، جو صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوگا اور اس سے آپ ایمان والوں کو سیراب فرمائیں گے، اس نعمت عظمیٰ کے مل جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور شکرانہ نماز اور قربانی کا حکم ہو رہا ہے اور مزید تسلی کی جا رہی ہے کہ سلسلہ ہدایت آپ ہی کا چلے گا اور دشمن کی جڑ کٹ کر رہ جائے گی اور اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ آپ ﷺ کے ستانے والوں کا انجام کیا ہوا، کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں، اور آپ ﷺ کے ماننے والے دنیا کے کونے کونے میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں اور آپ کی نسبی اولاد بھی دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ

یوں تو پورا قرآن مجید آنحضور ﷺ کی عظمت پر گواہ ہے، لیکن اس میں بعض سورتیں وہ ہیں جو آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کا ایک نشان ہیں، ان میں سورۂ الم نشرح میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقام کو جس طرح کھولا ہے، اور اپنے فضل عظیم کا جس انداز سے تذکرہ فرمایا ہے کہ لوگ قیامت تک اس کی حقیقت کو سمجھتے رہیں، اور اس پر سر دھنتے رہیں، اور پھر "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کی آیت اس میں شامل فرمادی کہ وہ عظمت کا ایک مینار ہے۔

آسمانوں اور زمینوں پر آپ ﷺ کے چرچے ہیں، اذانوں میں پانچوں وقت مسجد کے مناروں سے دنیا کے کونے کونے میں آپ ﷺ کا نام بلند ہو رہا ہے، اور اب تو یہ تحقیق سامنے آچکی ہے کہ کوئی لمحہ ایسا خالی نہیں جاتا کہ دنیا کے کسی خطہ میں مسجد کے میناروں سے آپ کا نام نہ لیا جا رہا ہو، مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے جنوب تک ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

جمعہ وعیدین کے خطبے ہوں یا دین کا کوئی بھی حکم، آپ کے نام سے خالی نہیں، سیرت کے کتب خانے ہوں یا نعتوں کی مختلف صنفیں ہوں جو حد شمار سے باہر ہیں، یہ سب "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" کا ہی مصداق ہیں۔(۱)

مدارس میں "قال اللہ و قال الرسول" کی صدائیں اور محراب ومنبر سے آپ ﷺ کے نام کی گونج سب "ورفعنا لك ذكرك" کا کرشمہ ہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

---

(۱) یہاں اس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا معمول تھا کہ وہ جہاز کے سفر میں مسلسل درود شریف کا ورد فرماتے تھے، پوچھا گیا تو فرمایا کہ "ورفعنا لك ذكرك" کے استحضار کے ساتھ اس میں خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے، کون ہے جو اس بلندی پر اپنے نبی کو یاد کر رہا ہو، یہ صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

عظمت کی ایک نشانی

یہ بھی آنحضور ﷺ کی عظمت کی ایک بڑی نشانی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ساتھ آپ کا تذکرہ فرمایا اور بیسیوں مقامات پر اپنے نام کے ساتھ ان کے نام کو جوڑا اور آپ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔

اعمال میں شاید سود ہی ایسی سخت لعنت ہے کہ سب سے بڑھ کر اس پر نکیر کی گئی اور اس سے روکا گیا، پھر بھی اگر کوئی باز نہیں آتا تو اس کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ﴾(البقرة: ۲۷۹)

(اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے)

غور کرنے کی بات ہے کہ اعلان جنگ کا جب اللہ کا ذکر کیا تو اپنی ذات کے ساتھ اپنے محبوب رسول ﷺ کا بھی تذکرہ فرمایا۔

اسی طرح سورہ براءت میں جب مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کیا گیا تو کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کا بھی تذکرہ فرمایا، ارشاد ہوا:

﴿بَرَاءةٌ مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (التوبة: ۱)

(اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے صاف براءت کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا)

اس اعلان براءت کے بعد اللہ نے اس کا سبب بھی بیان فرمایا کہ ان مشرکوں سے عہد و پیمان کیسے باقی رکھا جا سکتا ہے، جنہوں نے بدعہدی کی کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس موقع پر بھی عہد کی نسبت اللہ نے جس طرح اپنی طرف فرمائی، اسی طرح اپنے رسول کی طرف فرمائی، ارشاد ہوا:

﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلاَّ الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُواْ لَكُمْ فَاسْتَقِيمُواْ لَهُمْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ (التوبة: ۷)

(اللہ کے پاس اور اس کے رسول کے پاس (عہد شکن) مشرکوں کا عہد و پیمان کیسے باقی رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھے رہو بیشک اللہ لحاظ رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے)

پھر اسی سورۂ توبہ میں آگے اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر اپنے رسول ﷺ کا حق کھولتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَلاَ تُقَاتِلُونَ قَوْماً نَّكَثُواْ أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّواْ بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَؤُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤُمِنِينَ﴾ (التوبة: ۱۳)

(کیا تم ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکال دینے کی فکر میں رہے اور پہلے انھوں نے ہی تم سے چھیڑ کی شروعات کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو بس اللہ کا زیادہ حق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو)

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نکلنے کا عام حکم ہوا، اور منافقوں نے اپنا دامن بچایا اور واپسی پر آکر طرح طرح کے عذر تراشنے لگے تو ان کے بارے میں سخت آیات نازل ہوئیں، ارشاد ہوا:

﴿يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُل لاَّ تَعْتَذِرُواْ لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ

﴿تَعْمَلُونَ﴾ (التوبة: ٩٤)

(جب تم لوگ ان کے پاس واپس ہو گے تو وہ تمہارے سامنے آ کر بہانے کریں گے، کہہ دیجیے کہ بہانے مت بناؤ ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے، اللہ نے تمہاری ساری خبریں ہمیں بتادی ہیں اور ابھی اللہ اور اس کے رسول تمہارا کام دیکھیں گے پھر تم چھپے اور کھلے کے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ بھی تم کرتے رہے تھے وہ سب تمہیں بتادے گا)

اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ ذکر فرمایا﴿سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُم﴾ وہیں فرمادیا: ﴿وَرَسُولُهُ﴾

جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے رسول کا ذکر فرمایا ہے، یہ آپ کی عظمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے، ایمان کا جہاں تذکرہ ہے وہاں جگہ جگہ ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کا تذکرہ ہے۔

﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِىُ أَنزَلْنَا﴾ (التغابن:٨)

(بس اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ہے ایمان لے آؤ)

سورۂ صف میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا هَلُ أَدُلُّكُمُ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيُكُم مِّنُ عَذَابٍ أَلِيُم ☆ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِيُ سَبِيُلِ اللَّهِ بِأَمُوَالِكُمُ وَأَنفُسِكُمُ ذَلِكُمُ خَيُرٌ لَّكُمُ إِن كُنتُمُ تَعُلَمُونَ﴾

(الصف: ١٠-١١)

(اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو گے اور اللہ

کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہو گے، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)

عظمت رسول ﷺ کا تذکرہ مختلف آیات میں

آنحضور ﷺ کی عظمت اور مقام کا تذکرہ آیتوں میں جا بجا ملتا ہے، سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے گو فتح سب کی تھی، مگر اس کی نسبت اپنے محبوب کی طرف فرمائی اور ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾ (الفتح: ۱)

(یقیناً ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی ہے)

اس کے آگے اپنی مزید نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً☆وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْراً عَزِيزاً﴾ (الفتح: ۲-۳)

(تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک معاف کر دے اور تا کہ اپنی نعمت آپ پر مکمل کر دے اور آپ کو سیدھی راہ چلاتا رکھے، اور تا کہ اللہ آپ کی زبردست مدد کرے)

پھر اسی سورۂ شریفہ میں آگے ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ (الفتح: ۱۰)

(یقیناً جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں)

یہ آپ ﷺ کی انتہائی عظمت و بلندی کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب مکہ مکرمہ کی قسم کھائی، اس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے تو ارشاد ہوا:

﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ☆وَأَنتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾ (البلد: ۱-۲)

(میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں، جب کہ آپ اسی شہر میں مقیم ہیں)

یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور انتہائی صبر آزما حالات سے آپ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ کو گذرنا پڑ رہا تھا۔

آپ ﷺ کی نسبت سے ازواج مطہرات اور اہل بیت کا بھی مقام بلند کیا گیا، ارشاد ہوا:

﴿يَا نِسَاء النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاء إِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾

(الأحزاب: ۳۲)

(اے نبی کی بیویو! تم ہر کسی عورت کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری رکھو)

ازواج مطہرات اور تمام اہل بیت کی پاکیزگی کا تذکرہ اس طرح ہوا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الأحزاب: ۳۳)

(اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے میل کچیل کو دور کردے اور تمہیں پوری طرح پاک صاف کردے)

اہل ایمان پر یہ آنحضور ﷺ کا حق ہے کہ آپ ﷺ کے عظمت و مقام کو سمجھا جائے، اس پر ایمان رکھا جائے اور اس کو بیان کیا جائے۔

یہ بھی آنحضور ﷺ کی انتہائی عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ آپ کی جان کی قسم کھائی، ارشاد ہوا:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الحجر: ۷۲)

(آپ کی جان کی قسم! وہ تو اپنے نشے میں بالکل ہی دُھت ہو رہے تھے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی جان ایسی نہیں پیدا کی جو اللہ کے نزدیک سب سے بڑھ کر عزت والی ہو، اور اللہ نے کسی کی جان کی قسم نہیں کھائی، سوائے حضرت محمد ﷺ کے۔(۱)

---

(۱) دلائل النبوة للبيهقي: ٢٢٣٤

یوں تو آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کی بارش فرمائی ہے، مگر بطور خاص سورۂ ضحیٰ میں جس طرح ان انعامات کا تذکرہ ہے، وہ آپ ﷺ کی عظمت کی کھلی نشانیاں ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالضُّحَى ☆وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ☆مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ☆وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى ☆وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ☆ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَى ☆وَوَجَدَكَ ضَالّاً فَهَدَى ☆وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَى ☆فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَر ☆وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ☆وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾

(الضحی: ۱-۱۱)

(چڑھتے ہوئے دن کی روشنی کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ تاریک ہو جائے، آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا، اور بعد میں آنے والے حالات آپ کے لیے پہلے والے حالات سے زیادہ بہتر ہیں، اور جلد ہی آپ کو آپ کا رب اتنا نوازے گا کہ بس آپ خوش ہو جائیں گے، کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو اس نے ٹھکانا دیا، اور اس نے آپ کو (حق کے لیے) سرگرداں پایا تو راستہ چلایا، اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا، بس جو یتیم ہو اس پر زبردستی نہ کریں، اور جو سائل ہو اس کو نہ جھڑکیں، اور جو آپ کے رب کی نعمت ہے اس کو بیان کرتے رہیں)

پھر ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ (اور جلد ہی آپ کو آپ کا رب اتنا نوازے گا کہ بس آپ خوش ہو جائیں گے) ان آیات میں بھی ایک نشانی رکھتی ہے، اس میں عزت و بلندی کا ہمہ جہت تذکرہ ہے، اور دنیا و آخرت میں سعادت و انعامات کی مختلف شکلوں کا بیان ہے، بعض حضرات مفسرین نے یہاں حوض کوثر اور شفاعت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

تمام نبیوں کے امام

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام نبیوں کا امام بنایا، مسجد اقصیٰ میں بھی آپ ﷺ نے امامت فرمائی، اور سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُواْ أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُواْ وَأَنَاْ مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (آل عمران: ٨١)

(اور جب اللہ نے نبیوں سے یہ اقرار لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس اس چیز کو سچ بتانے والا رسول آجائے جو تمہارے پاس موجود ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا (اور) فرمایا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے دی ہوئی ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں، اس نے فرمایا تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں)

مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے آپ ﷺ کا ذکر فرمایا اور حکم دیا گیا تھا کہ جو بھی آپ ﷺ کو پائے وہ ایمان لائے، اور مددگار رہو، اور آنے والوں کو بھی اس کی تلقین کرے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ (الصف: ٦)

(اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! یقیناً میں اللہ کا

رسول (بنا کر) تمہاری طرف (بھیجا گیا) ہوں، مجھ سے پہلے جو
تورات (اتری) تھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک ایسے رسول کی
خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے)

متعدد آیتوں میں آنحضور ﷺ کا تذکرہ تمام نبیوں سے پہلے ہے۔

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ
وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقاً غَلِيظاً﴾

(الاحزاب:۷)

(اور جب ہم نے تمام نبیوں سے ان کے عہد لیے اور آپ سے اور
نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے اور ان
سے ہم نے نہایت پختہ عہد لیا تھا)

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ﴾

(النساء: ١٦٣)

(یقیناً ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے جیسا کہ ہم نے نوح اور ان
کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی کی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ نے آپ کو آخری نبی بنایا، مگر آپ ﷺ کا تذکرہ سب سے پہلے کیا، اس پر آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا۔(۱)

اس کا تذکرہ بھی آپ ﷺ کے فضائل میں کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نام لے کر مخاطب نہیں فرمایا، کبھی ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾ کبھی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ فرمایا، کبھی ﴿يٰسٓ﴾ کہا، کبھی ﴿طٰهٰ﴾ فرمایا۔

---

(۱)الشفا بتعريف حقوق المصطفى: ۳۹

انتہائی ادب ولحاظ

آنحضور ﷺ کی عظمت ومحبت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ انتہائی ادب واحترام ملحوظ رکھا جائے اور سماجی زندگی میں بھی ان باریکیوں پر نگاہ رکھی جائے، جن کا خیال بھی عام زندگی میں نہیں ہوتا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کون ہوگا محبت کرنے والا، جو عظمت رسول ﷺ ان کے دلوں میں تھی وہ کس کے دل میں ہوگی، واقعات اس کے گواہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا آپ ﷺ کا انتہائی ادب ولحاظ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی شان میں ادنی بے ادبی اور گستاخی کو کفر قرار دیا ہے، صحابہ کو خطاب کر کے اس میں پوری امت کو مخاطب کیا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾

(الحجرات: ۱-۲)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ خوب سنتا، خوب جانتا ہے، اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کیا کرو، اور جس طرح تم ایک دوسرے کو زور زور سے پکارتے ہو اس طرح نبی کو زور سے مت پکارا کرو کہ کہیں تمہارے سب کام بیکار چلے جائیں اور تمہیں احساس بھی نہ ہو)

آیت شریفہ میں رسول کی عظمت اور اولیت وتقدم کے حق کو ذہن ودماغ میں راسخ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کے ساتھ عظمت رسول کو جوڑا ہے

اور یہ بات صاف کردی ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول کا حق سب سے بڑھ کر ہے، ہر لحاظ سے ایک ایمان والے کو اس کا خیال رہنا چاہیے۔

اگرچہ آیت شریفہ میں خطاب اولین اہل ایمان کو ہے اور اس کے شان نزول میں جو واقعات نقل کیے جاتے ہیں ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے لیکن محققین علماء کا یہ اصول ہے کہ "العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب" (اعتبار الفاظ کے عموم ہی کا کیا جائے گا، کسی خاص سبب سے اس حکم کو مربوط نہیں رکھا جائے گا)۔ اس طرح یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ہے، ہر فیصلہ کے وقت زندگی کے ہر موڑ پر ہر حال میں ہر ایمان والے کو سوچنا ہے پھر آگے بڑھنا ہے، کہیں کسی "غیر" کی عظمت تو جڑ نہیں پکڑ رہی ہے، نفس کے تقاضے کہیں اتنے غالب تو نہیں ہوتے جارہے ہیں کہ ان کو اولیت دی جانے لگی ہو، عرف وعادت اور رسم ورواج کے بندھن کہیں اتنے مضبوط تو نہیں ہورہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی رسی کی گرفت اس کے سامنے ڈھیلی پڑنے لگی ہو، آیت شریفہ میں بڑی عمومیت کے ساتھ یہ حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ ایمان والوں کو بہر صورت حق اللہ اور حق الرسول کو مقدم ہی رکھنا ہے، اسی لیے آگے تاکید کے طور پر "وَاتَّقُوا اللّٰہَ" ارشاد فرمایا گیا کہ یہ شان تقویٰ ہے، آگے آیت میں اسی کو تقویٰ کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے، عظمت ہوگی تو لحاظ ہوگا، اتباع آسان ہوگا، اور سب کچھ دل کی گہرائیوں کے ساتھ ہوگا، اسی لیے آگے فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ "بے شک اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔" اس میں یہ وارننگ دے دی گئی کہ یہ عظمت ومحبت اور اطاعت اپنی حقیقت کے ساتھ ضروری ہے، محض صورت کافی نہیں۔

شان نبوت میں بے ادبی کفر کا پیش خیمہ

اسی سورت کی دوسری آیت میں اس کی ایک واضح مثال دی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا أَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ﴾

(الحجرات:٢)

(اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کیا کرو، اور جس طرح تم ایک دوسرے کو زور زور سے پکارتے ہو اس طرح نبی کو زور سے مت پکارا کرو)

اس آیت شریفہ میں پہلے تو "یٰٓا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا" کو دہرایا گیا ہے، تا کہ اہل ایمان دوبارہ متوجہ ہو جائیں اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ آگے جو کچھ کہا جانے والا ہے وہ ایمان ہی کا حصہ ہے، اہل ایمان کو اپنے ایمان کے تحفظ کے لیے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، جس کو نعمت مل چکی ہو اور اس کو نعمت کی قیمت کا کچھ اندازہ بھی ہو وہ اس نعمت کے تحفظ کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔

اس نعمت ایمان کے تحفظ کے لیے عمومیت کے ساتھ پہلی آیت میں جو کچھ کہا گیا تھا اب اس دوسری آیت میں اس کی ایک ایسی مثال دی جا رہی ہے جس سے ہر خاص وعام بات کو سمجھ لے، نبی کے سامنے جب آواز بلند کرنے سے روکا جا رہا ہے، جو عربوں کے اس ماحول میں کوئی بہت زیادہ خلاف ادب بات نہیں تھی، بے تکلفی ان کے مزاج میں داخل تھی لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت کے سامنے اس کو بھی بے ادبی قرار دیا جا رہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ اور حکم کے آگے بڑھ جانا اور اس کی اتباع نہ کرنا، اس کی اہمیت کو دل وجان سے تسلیم نہ کرنا کس درجہ خلاف ادب ہوگا، اسی لیے قرآن مجید کی دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً﴾

(النساء:٦٥)

(بس نہیں آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے
جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر
آپ کے فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح
سرِتسلیم خم کردیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی لیکن آپ کی تعلیمات وارشادات موجود ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ شریفہ سامنے ہے، ہر ہر امتی پر فرض ہے کہ اس کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی ہر ہر چیز کی عظمت ہو، مسجد نبوی کا احترام اور وہاں اپنی آواز کو پست رکھنا ایمان اور تقویٰ کی بات ہے، آپ کی تعلیمات اور طریقہ ہر چیز پر مقدم ہو، بڑی سے بڑی خواہش کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہ ہو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سامنے آئے تو ہر چیز ہیچ ہو، یہ عظمت رسالت کی علامت ہے، عظمت سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور انسان کے اندر اللہ نے جو اطاعت کا مزاج رکھا ہے اس کا رخ درست ہو جاتا ہے، آگے وارننگ دی گئی ہے:

﴿أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات:۲)

(کہ کہیں تمہارے سب کام بیکار چلے جائیں اور تمہیں احساس بھی نہ ہو)

آیت کے اس ٹکڑے میں تمام اعمال کے ضائع جانے کا خطرہ ظاہر کیا جا رہا ہے اور یہ کفر وشرک کے بعد ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تیز گفتگو کر دینا اور بلند آواز سے بولنا اگرچہ سوئے ادب کی اس حد میں نہیں ہے کہ کفر تک بات پہنچ جائے لیکن یہ اس کا پیش خیمہ ضرور ہے، ہلکی سی بھی بے ادبی ہوئی تو آہستہ آہستہ بات اس حد تک پہونچ جاتی ہے جہاں کفر کے حدود شروع ہو جاتے ہیں اور بے ادبی کی وہ شکل سامنے آجاتی ہے کہ پھر ایمان باقی نہیں رہتا، اسی لیے "وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" فرمایا، چونکہ سب کچھ آہستہ آہستہ ہوتا ہے اس لیے آدمی محسوس بھی نہیں کر پاتا اور وہ کفر کی سرحدوں میں داخل ہو جاتا ہے، یہاں پہنچ کر اس کے تمام اعمال اور ساری نیکیاں بیکار ہو جاتی ہیں۔

دل کوٹٹولنے کی ضرورت ہے، افکاروخیالات کی نگہداشت ضروری ہے، اعمال کا جائزہ لیتے رہنالازم ہے، کہیں کوئی ایسی شکل سامنے نہ آنے پائے کہ اللہ اوراس کے رسول پر کسی چیز کومقدم کیا جانے لگا ہو، اگرایسا ہےتو یہ خطرہ کی علامت ہے۔

گفتگو میں احتیاط

یہودیوں کا خیال تھا کہ نبی بنو اسرائیل ہی میں آ سکتا ہے، آنحضور ﷺ کی نبوت کا ان کو یقین تھا، لیکن محض اس ہٹ دھرمی میں کہ نبی اسماعیل میں کیسے آ گیا وہ آپ کی نبوت کوتسلیم کرنے پرآمادہ نہیں تھے، بلکہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو نقصان پہنچائیں، وہ آپ ﷺ کی مجلسوں میں آتے تو بھی ناپاک حرکتوں سے باز نہ آتے، بات توجہ سے نہ سنتے اور کہتے "راعنا" اور "راعنا" کو "راعینا" کھینچ کر کہتے، اوراپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے، "راعنا" کے معنی ہیں ''ہماری رعایت کردیجئے'' وہ اس کو "راعینا" بنادیتے، یعنی ''اے ہمارے چرواہے''، معاذ اللہ! اللہ نے ارشادفرمادیا کہ اب کوئی "راعنا" کا لفظ بھی استعمال نہ کرے تاکہ یہودیوں کواس کا موقع ہی نہ ملے، ارشاد ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقُولُواْ رَاعِنَا وَقُولُواْ انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (البقرة: ١٠٤)

(اے ایمان والو! "رَاعِنَا" مت کہا کرو "اُنْظُرْنَا" کہا کرواور سنتے رہا کرواور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے)

اس آیت شریفہ سے ایک اصول سامنے آتا ہے کہ اہل ایمان کو ایسے تمام کاموں سے بچنا چاہیے جن کو ذریعہ بنا کر دوسروں کو آنحضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا موقع ملے، مسلمانوں کو بہت محتاط زندگی گذارنے کی ضرورت ہے تاکہ کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہ رہے۔

بے جا سوالات سے پرہیز

امت کو اس سے بھی روک دیا گیا کہ نبی سے ہر قسم کے بے جا سوالات کئے جائیں کہ یہ ایک طرف نبی ﷺ کی اذیت کا ذریعہ ہے اور آپ کی شان وعظمت کے منافی ہے، تو دوسری طرف اس میں سوالات کرنے والوں ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری امت کے لیے نقصان ہے، احکامات میں شدت کا خطرہ ہوتا ہے، جو چیز فرض نہیں ہوتی ڈر ہوتا ہے کہ اس کو فرض نہ کر دیا جائے، ایک مرتبہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے مختلف سوالات کئے، یہاں تک کہ یہ سوال کیا کہ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ سوالات نہ کرو، اگر میں کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے، تو فرض کر دیا جاتا، قرآن مجید میں یہ آیتیں اتریں:

﴿أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُواْ رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِن قَبْلُ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاء السَّبِيلِ﴾(البقرة: ١٠٨)

(کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسے ہی سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ سے سوال کیے جا چکے، اور جو بھی ایمان کو کفر سے بدلے گا تو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا)

بنی اسرائیل کو جب گائے ذبح کرنے کا مطلق حکم دیا گیا، تو یہ بڑا آسان کام تھا، مگر انہوں نے سوال در سوال کر کے اس کو اپنے لیے مصیبت بنا لیا، ان کے سوالات سے لگتا یہ تھا کہ وہ کرنا ہی نہیں چاہتے، اللہ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَادُواْ يَفْعَلُونَ﴾ (البقرة: ٧١)

(اور لگتا نہ تھا کہ وہ ایسا کر لیں گے)

دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَسْأَلُواْ عَنْ أَشْيَاء إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِن تَسْأَلُواْ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّهُ

عَنۡهَا وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (المائدة: ۱۰۱)

(اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر وہ تمہارے لیے کھول دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر تم اس وقت ان کے بارے میں پوچھو گے جس وقت قرآن نازل ہورہا ہے تو وہ تمہارے لیے کھول دی جائیں گی اللہ نے ان کو معاف کر رکھا ہے اور اللہ تو بڑی مغفرت فرمانے والا بڑا حلیم ہے)

نزول قرآن کے وقت اس طرح کے سوالات اس لیے نامناسب تھے کہ بہت سی باتیں ظاہر کئے جانے کے قابل نہ تھیں، سوالات کے نتیجہ میں ان کو ظاہر کیا جاتا جو لوگوں کو برا لگتا اور پھر اس طرح کے بے جا سوالات عظمت نبوت کے منافی تھے، اس لیے ان سے روک دیا گیا۔

انتہائی لحاظ رکھنے کی تاکید

حضرت زینب رضی اللہ عنہ سے نکاح کے بعد آپ ﷺ نے ولیمہ کا اہتمام فرمایا، کچھ لوگ پہلے ہی آکر بیٹھ گئے اور کھانے کے بعد بھی دیر تک بیٹھے رہے، یہ پردہ سے پہلے کی بات ہے، اس سے آپ ﷺ کی مشغولیت پر فرق پڑا اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچی، مگر یہ ان کی شان رحمت اور انتہائی شفقت تھی کہ آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدۡخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤۡذَنَ لَكُمۡ إِلَى طَعَامٍ غَيۡرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنۡ إِذَا دُعِيتُمۡ فَادۡخُلُوا فَإِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسۡتَأۡنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمۡ كَانَ يُؤۡذِي النَّبِيَّ فَيَسۡتَحۡيِي مِنكُمۡ وَاللَّهُ لَا يَسۡتَحۡيِي مِنَ الۡحَقِّ وَإِذَا سَأَلۡتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسۡأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمۡ أَطۡهَرُ لِقُلُوبِكُمۡ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمۡ أَن تُؤۡذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن

تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَداً إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيماً﴾ (الأحزاب: ۵۳)

(اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک تمہیں کھانے کے لیے اجازت نہ مل جائے، اس کے پکنے کی راہ دیکھتے نہ رہو، ہاں جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو پھر جب کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، باتوں میں جی لگاتے مت بیٹھو، یقیناً یہ چیز نبی کو تکلیف پہنچاتی ہے بس وہ تم سے شرم کرتے ہیں اور اللہ کو ٹھیک بات کہنے میں کوئی شرم نہیں، اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو پردہ کے پیچھے سے ان سے مانگ لو، یہ چیز تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی (کا باعث) ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی اور تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یقیناً یہ اللہ کے یہاں بڑی سنگین بات ہے)

اس آیت کا مرکزی مضمون یہی ہے کہ کسی بھی حیثیت سے کوئی ایسی صورت نہ اختیار کی جائے جو آنحضور ﷺ کو تکلیف پہنچا دے کہ یہ بڑی سنگین بات ہے، اور اس کے نتیجہ میں حبط اعمال ہوتا ہے اور ایمان نکل جاتا ہے۔

اس آیت میں پردہ کا بھی حکم دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا بھی کسی کے لیے درست نہیں کہ وہ سب امت کی مائیں ہیں، اس عمل کو سنگین قرار دیا گیا کہ یہ چیز آپ ﷺ کی تکلیف کا ذریعہ بن سکتی تھی۔

امت پر آنحضور ﷺ کے حقوق میں سے یہ بات انتہائی اہم ہے کہ آپ ﷺ کی عظمت اور ادب کے منافی کوئی بھی عمل اختیار نہ کیا جائے اور انتہائی درجہ آپ ﷺ کا لحاظ ہو۔

آنحضور ﷺ کی عظمت کی ایک بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ ابتداء میں مسلمانوں کو

حکم دیا گیا تھا اور یہ ادب سکھایا گیا تھا کہ جب بھی آپ ﷺ سے گفتگو کرنی ہو تو پہلے صدقہ کریں، اپنے دل و دماغ کو پاک کریں، اپنے آپ کو اس عظیم المرتبت ہستی سے گفتگو کے قابل کریں، ارشاد ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (المجادلة: ۱۲)

(اے ایمان والو! جب تم رسول سے تنہائی میں بات کرنا (چاہو) تو تم تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دیدیا کرو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر اور پاکیزہ تر ہے پھر اگر تمہیں (کچھ) میسر نہ ہو تو اللہ بہت مغفرت فرمانے والا نہایت مہربان ہے)

لیکن بعد میں دفع مشقت کے لیے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور یہ آیت اتری:

﴿أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المجادلة: ۱۳)

(کیا تم تنہائی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے سے گھبرا گئے تو جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے)

آیت بالا مذکورہ کے پیش نظر آج بھی علماء اس کو مستحب سمجھتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے حضور حاضری ہو اور سلام پیش کرنا ہو تو پہلے صدقہ دے دیا جائے، یہ زیادہ بہتر ہے اور پاکیزہ تر ہے۔

ایذارسانی پر اللہ کا غضب

جب آپ ﷺ کی عظمت و محبت ایمان کی علامت نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہے، اور آپ ﷺ کا انتہائی درجہ ادب و لحاظ رکھنے کا حکم ہے، تو آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے کا وبال کس قدر سخت ہوگا، قرآن مجید میں اس کا تذکرہ جا بجا موجود ہے، یہودیوں اور مشرکوں نے اور منافقوں نے یہ وطیرہ بنا رکھا تھا اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو ستاتے تھے، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيناً﴾ (الأحزاب: ۵۷)

(جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ نے پھٹکار کی ہے اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة: ۶۳)

(کیا انھیں پتہ نہیں کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آئے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، اسی میں ہمیشہ رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے)

سورۂ مجادلہ میں بھی دو جگہ یہی بات فرمائی گئی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾

(المجادلة: ۵)

(یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لیتے ہیں وہ خوار ہوں گے

جیسے ان سے پہلے کے لوگ خوار ہوئے، اور ہم نے کھلی آیتیں اتار دی ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے)

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ﴾

(المجادلة: ۲۰)

(یقیناً جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت مول لیتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں ہیں)

منافقین کی ریشہ دوانیاں مستقل جاری تھیں، وہ آپس میں آنحضور ﷺ کے خلاف مشورہ کرتے تھے، اور جب کوئی کہتا کہ یہ باتیں آپ ﷺ کو پہنچ جائیں گی تو کہتے کہ کیا فرق پڑتا ہے ہم جا کر بات بنا لیں گے، آپ کا حال تو یہ ہے کہ آپ سب کی سن لیتے ہیں، قرآن مجید میں ان منافقوں کی بھی قلعی کھولی گئی ہے:

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيِقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُواْ مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (التوبة: ۶۱)

(اوران میں بعضے وہ ہیں جو نبی کو اذیت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو (سب) سن لیتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ وہ صرف تمہارے بھلے کو سنتے ہیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں (کی بات) کا یقین کرتے ہیں اور تم میں ایمان والوں کے لیے سراپا رحمت ہیں اور جو لوگ بھی اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

اس آیت میں بات صاف کر دی گئی کہ یہ آپ ﷺ کی انتہائی شفقت اور کمال رحمت ہے کہ آپ ﷺ سب کی باتیں سنتے ہیں مگر آپ ﷺ خوب جانتے ہیں کہ صحیح بات کس کی ہے؟ اور پھر کہہ دیا گیا کہ جو لوگ بھی اس طرح کی باتیں کر کے آپ

ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ دنیا میں خواہ اپنے آپ کو بچالیں لیکن آخرت میں رسوائی ہی ان کا مقدر بننے والی ہے۔

مکہ مکرمہ میں جو لوگ ایذا رسانی میں پیش پیش تھے ان میں ابو جہل سرفہرست تھا۔ سورۂ علق میں اخیر کی گیارہ آیتیں اسی کے بارے میں اتریں، ارشاد ہوا:

﴿أَرَأَيْتَ الَّذِیْ يَنْهَى ☆عَبْداً إِذَا صَلَّى ☆أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَى ☆أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى ☆أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّى ☆أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى ☆كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ ☆نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ☆فَلْيَدْعُ نَادِيَه ☆سَنَدْعُ الزَّبَانِيَة ☆كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (العلق: ۹-۱۹)

(آپ نے اس کو دیکھا جو روکتا ہے ☆ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے، بھلا بتائیے اگر وہ ہدایت پر ہوتا، یا تقوی کی بات کہتا، بھلا بتائیے اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا، کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ اس کو دیکھ ہی رہا ہے، خبردار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، وہ پیشانی جو جھوٹی ہے گنہگار ہے، بس وہ اپنی مجلس والوں کو بلالے، ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے، ہرگز نہیں آپ اس کی باتوں میں مت آیئے اور سجدے کیے جایئے اور قریب ہوتے جایئے)

یہ ابو جہل کا تذکرہ ہے، آپ ﷺ جب نماز پڑھتے تو وہ روکنے کی کوشش کرتا، ایک مرتبہ آنحضور ﷺ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل بولا کہ فلاں علاقہ میں اونٹ ذبح ہوا ہے، کوئی اس کی اوجھڑی اٹھا لائے، اور سجدہ کی حالت میں آپ کی پیٹھ پر رکھ دے، عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اوجھڑی لاکر آپ کی پیٹھ پر رکھ دی، حضرت فاطمہ کو کمسن تھیں مگر جب ان کو معلوم ہوا تو آکر انہوں نے کسی طرح وہ اوجھڑی ہٹائی، ایک

مرتبہ اس بدبخت نے یہاں تک کہہ ڈالا ''اگر آپ نے سجدہ کیا تو میں آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا''، آپ ﷺ نے جھڑک دیا تو بولا کہ ''میری پارٹی بڑی ہے میں لوگوں کو بلا لوں گا''، اللہ فرماتا ہے کہ اب کر کے دیکھے، اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر ہم اس کو گھسیٹیں گے جو پیشانی جھوٹ اور مکاری سے بھری ہوئی ہے، اور وہ اپنی پارٹی کے لوگوں کو بلائے، ہم دوزخ کے سخت گیر فرشتوں کو بلا لیں گے، حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ روکنے کے لیے آگے بڑھا پھر اچانک رک گیا، پوچھنے پر کہنے لگا کہ مجھے اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان ایک آگ سے بھری خندق نظر آئی، جس میں پر رکھنے والی کوئی مخلوق تھی، اس لیے میں آگے نہ بڑھ سکا، حضور ﷺ نے فرمایا: اگر وہ آگے بڑھتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی کر ڈالتے، پھر آخری آیت میں محبت بھرے انداز میں آپ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ بے خوف ہو کر سجدے کیے جایئے اور آگے بڑھتے جایئے۔



محبت

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک بہت بڑا حق امت پر یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی محبت میں سرشار ہو، وہ محبت عقل و دل کے نہاں خانوں سے پیدا ہوا اور اعصاب پر طاری ہوجائے، ہر محبت اس محبت کے آگے قربان ہو، قلب و جان کے تقاضے اس کے سامنے ہیچ ہوں، یہاں تک کہ اپنی جان سے زیادہ عزیز و محبوب آپ ﷺ کی ذات والا شان ہو، پھر یہ محبت قلب و دماغ پر ایسی طاری ہوجائے کہ حضور اقدس ﷺ کی معمولی راحت وآرام کے لیے اپنی ہزار جانیں قربان کرنے کو جی چاہے۔

یہ محبت ایمان کی علامت ہے، خود حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

"لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده و ولده والناس أجمعین"(۱)

(تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد سے زیادہ، اس کی اولاد سے زیادہ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں)

اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (الأحزاب:٦)

---

(۱)صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان: ۱۵

(نبی کا مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق ہے)

آپ ﷺ کا حق خود ہماری جانوں کے حق سے بڑھ کر ہے، جو آپ کو اپنی جان و مال پر، اپنی خواہشات پر ترجیح نہ دے اس کا ایمان خطرہ میں ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے فرمایا:

"لأنت أحب الي من كل شئ الامن نفسى"

(اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ میرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے میری جان کے)

آپ نے فرمایا:

"لا والذى نفسى بيده حتى أكون أحب اليه من نفسك"

(نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اس وقت تک نہیں جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے یہ کلمات بجلی بن کر حضرت عمر کے دل پر گرے، اور ان کے دل کی دنیا اسی وقت بدل گی، انہوں نے فرمایا:

"الآن والله لأنت أحب الي من نفسى"

(اب تو خدا کی قسم آپ خود میری جان سے زیادہ مجھے محبوب ہیں)

آپ ﷺ نے فرمایا:

"الآن يا عمر"(۱) (ہاں عمر، اب ایمان مکمل ہوا)

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے، غزوۂ تبوک کے موقع پر جب سب کو نکلنے کا حکم تھا مگر جب منافقوں نے عذر تراشنا شروع کئے اور بعض اور حضرات بھی کسی سبب سے پیچھے رہ گئے تو یہ آیت اتری:

﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَن

(۱) بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبي ﷺ: ٦٦٣٢

يَتَخَلَّفُواْ عَن رَّسُولِ اللّهِ وَلاَ يَرْغَبُواْ بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لاَ يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلاَ نَصَبٌ وَلاَ مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ يَطَؤُونَ مَوْطِئاً يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلاَ يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلاً إِلاَّ كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾

(التوبة: ١٢٠)

(مدینہ والوں کے لیے اور ان کے آس پاس کے دیہات والوں کے لیے (درست) نہیں کہ وہ آپ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو آپ کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں، یہ اس لیے کہ ان کو اللہ کے راستہ میں جو بھی پیاس اور تھکن اور بھوک لگتی ہے اور وہ جو بھی قدم کافروں کو غیظ وغضب میں لانے کے لیے اٹھاتے ہیں اور دشمنوں کو جو بھی زک پہنچاتے ہیں اس پر نیک عمل لکھا جاتا ہے بلا شبہ اللہ نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا)

اس میں صاف صاف یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ چاہت اپنی جان سے زیادہ اللہ کے رسول ﷺ کی ہونی چاہیے، جب آپ ﷺ کا حکم ہے تو اب اس کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا ہر صاحب ایمان کے لیے لازمی ہے، خواہ کتنی ہی قربانی دینی پڑے۔

یہ محبت کی کسوٹی ہے اور یہیں سے حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ انسان کا جھکاؤ کس طرف ہے، اس کا رجحان کیا ہے، اگر وہ ہر حال میں اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کو ترجیح دیتا ہے تو یہ اس کی سچی محبت کی علامت ہے ورنہ الفاظ ہیں جو حقیقت سے خالی ہیں۔

ایک آیت میں ارشاد ہے:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُواْ مُؤْمِنِينَ﴾ (التوبة: ٦٢)

(وہ تمہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں جبکہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ مستحق ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر وہ ایمان رکھتے ہوں)

خوش کرنا ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو خوش کیا جائے، ہر ایک کی خوشی عارضی اور فانی ہے، اس کے اثرات محدود ہیں، اللہ کی خوشی اور اس کے رسول ﷺ کی خوشی وہ ہے جہاں سے خوشیوں کا ایک سلسلہ ہے، اور یہی سچی محبت کی نشانی ہے کہ اپنے محبوب کو ناراض نہ کیا جائے، اس کی خوشی کی ہمیشہ فکر ہو۔

اسباب محبت

محبت کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو سب سے بڑھ کر وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے محبوب نبی ﷺ کی شخصیت میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، انسان کی ضروریات پیدا فرمائیں، اور انسان کو جن چیزوں کے تقاضے ہوتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا جو حق ہے وہ سب سے بڑھ کر ہے، دنیا میں جو کچھ ہے، وہ سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے صدقہ میں ہے، اگر غور کیا جائے تو جتنے ہمارے رشتے ہیں، ان رشتوں کی بنیاد بھی اللہ کا فیصلہ ہے، ہماری ماں جو ماں بنی وہ اللہ کے حکم سے بنی، ہمارا باپ جو باپ بنا وہ اللہ کے حکم سے بنا، جتنے بھی رشتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے ہوئے، یہ طبعی محبت ہے اور اس کے علاوہ عقلی محبت کے اسباب اگر دیکھے جائیں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی وجہ سے وجود میں آئے، دنیا کے اندر جو بھی حسن و جمال ہے، جو کچھ بھی دنیا میں خوبصورتیاں نظر آرہی ہیں، وہ کسی بھی حیثیت کی ہوں، اور کہیں پر بھی آپ کو جو کمال نظر آرہا ہے، وہ سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، ہر طرح کے حسن و جمال کا پیدا کرنے والا وہ ہے، اور جو کچھ بھی ہمیں مل رہا ہے سب اسی کی وجہ سے مل رہا ہے، اگر اللہ نے انسان کو عقل نہ دی ہوتی تو آدمی کیا کرتا اور کون سا کمال حاصل کرتا، تو جو اسباب

محبت ہیں، اگر دیکھے جائیں تو وہ سب کے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں۔

انتہائی جمال وکمال

اللہ کے رسول ﷺ کی ذات اقدس پر اگر غور کیا جائے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ جو اسباب محبت ہیں وہ آپ ﷺ میں اعلیٰ سے اعلیٰ جو شکل ممکن ہے اس کے اعتبار سے پائے جا رہے ہیں، جو حسن و جمال آپ ﷺ کا ہے وہ ایسا ہے کہ ساری دنیا کا حسن اگر سمیٹا جائے تو شاید تب بھی وہ اس حد تک نہ پہنچے جو حسن اللہ نے آپ ﷺ کو دیا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ رات میں آپ تشریف فرما ہوتے تھے، اور چودہویں رات کا چاند نکلا ہوا ہوتا تھا تو ہم کبھی آپ ﷺ کو دیکھتے تھے، کبھی چاند کو دیکھتے تھے، تو خدا کی قسم! جو حسن اور جو چمک آپ کے چہرے میں نظر آتی تھی وہ چاند میں نظر نہیں آتی تھی، چاند میں تو دھبے ہوتے تھے، لیکن آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر دیکھا جائے تو کوئی ادنی سا بھی بال نظر نہیں آتا تھا، اسی لیے آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے:

"كأنه قطعة قمر"(۱) (گویا کہ چاند کا ٹکڑا ہے)

پورے چاند میں دھبے ہوتے ہیں، لیکن چاند کا وہ ٹکڑا جس میں دھبے نہ ہوں، بالکل چمکدار حصہ جو ہوتا ہے، آپ ﷺ کو اس سے تشبیہ دی گئی، اس سے بھی کیا وہ تو نمبر دو کی چیز ہوگئی، صحابہ تو یوں فرماتے ہیں کہ چاند سے زیادہ حسن آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر آتا تھا، تو آپ ﷺ کا جو حسن ہے وہ آخری درجہ میں، پھر آپ دیکھیں تو جو کمالات ہمیں اس وقت حاصل ہو رہے ہیں اور دنیا کو جو اس وقت ترقیات نظر آرہی ہیں، ظاہر ہے اس کی بنیاد علم پر ہے، علم جو کچھ دنیا کو ملا ہے، جس کے نتیجہ میں دنیا کہیں سے کہیں پہنچ رہی ہے، اس علم کی بنیاد آپ ﷺ نے رکھی، اگر آپ کی بعثت نہ ہوتی اور آپ ﷺ پر وحی نہ اترتی، جس میں ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کہا گیا تو دنیا کو علم کی

(۱)صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبي: ۳۵۵۶

طرف توجہ ہی نہ ہوتی، تو اس وقت جو کچھ بھی علوم کے خزانے نظر آتے ہیں، اگر دیکھا جائے تو تمام علوم کے چشمے آپ ﷺ کی ذات اقدس سے جاری ہوتے ہیں، آپ نے اس کا جو سلسلہ شروع فرمایا اس کے نتیجہ میں ساری دنیا میں آج ہمیں علم نظر آرہا ہے، تو جو کمالات ہیں ان کا منتہا دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی ذات ہے۔

محسن عالم ﷺ

اسی طرح آپ ﷺ کے دنیا پر جو احسانات ہیں وہ اپنی کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اس انتہاء پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بعد کسی مخلوق کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، آپ نے انسانوں کو انسان بنایا، ورنہ انسانوں کا حال اس وقت یہ تھا کہ وہ جانور بن گئے تھے، اس کے واقعات موجود ہیں، اس وقت بڑی بڑی حکومتیں تھیں ان کو دیکھئے، ان کے کلچر کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت ختم ہوگئی تھی، بعض ایسے واقعات تاریخ میں موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ انسان یہ کام بھی کرسکتا ہے، تاریخ میں لکھا ہے کہ جو بڑی بڑی دعوتیں ہوتی تھیں ان میں روشنی کا انتظام اس طرح کیا جاتا تھا کہ غلام کو کسی ستون سے باندھ کر اس کے کپڑوں میں آگ لگاتے تھے، اور اس سے جو روشنی ہوتی تھی اس میں مزے لے لے کر کھانا کھاتے تھے، جب وہ جل کر دم توڑنے لگتا تھا تو کھانا چھوڑ چھوڑ کر اس کو دیکھنے کے لیے بھاگتے تھے کہ کس طرح اس کی جان نکلتی ہے، یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا، انسان اس حد تک گر گیا تھا، انسان دیکھنے میں آزاد تھا لیکن وہ اپنا غلام تھا، اسی لیے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی کہ ہم کو اللہ نے اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو دنیا کی تنگی سے دنیا و آخرت کی وسعت میں لائیں، لوگوں کی غلامی سے ایک اللہ کی غلامی میں لائیں، (۱) اب کوئی غور کرے تو اس کو حیرت ہوگی کہ دنیا کی تنگی سے دنیا کی وسعت میں لائیں؟ یہ تو بڑی بڑی حکومتیں تھیں، ان کو دنیا کی جو وسعتیں حاصل تھیں وہ دوسروں کو کیا حاصل ہوں گی،

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۷/۴۶

لیکن واقعہ یہ ہے کہ آدمی اس طرح اپنے نفس کا غلام بن گیا تھا کہ وہ دنیا کی تنگیوں میں تھا، واقعہ لکھا ہوا ہے کہ یزدگرد جب بھاگا اور کہیں راستہ میں اس کو پیاس لگی، ایک جھونپڑا تھا، جب اس جھونپڑے والے سے پانی کے لیے کہا گیا تو اس نے آبخورے میں پانی پیش کیا، تو کہنے لگا کہ میں ہمیشہ سے سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینے کا عادی رہا ہوں، میں اس مٹی کے کٹورے میں پانی نہیں پیوں گا، میں مرجاؤں گا لیکن اس مٹی کے پیالہ میں پانی نہیں پی سکتا، غلامی کی انتہا ہے کہ آدمی اپنی عادت ونفس کا ایسا غلام ہوجائے کہ جان جائے تو چلی جائے لیکن مٹی کے پیالے میں پانی نہ پی سکے، وہ سونے چاندی کے برتنوں کا غلام ہو، تو یہ صورت حال تھی، آپ ﷺ نے لوگوں کو انسانیت بتائی، انسان کیسا ہونا چاہیے، اور آپ ﷺ نے انسان کامل کا نمونہ پیش کیا، تو جو احسانات کی انتہا ہے وہ آپ ﷺ کی ذات اقدس پر ختم ہوتی ہے، اس کے آگے شاید کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

جو اسباب محبت ہیں دیکھا جائے تو وہ آپ ﷺ پر منتہی ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا، آپ ﷺ کے ذریعہ سے اگر ہمیں دین نہ ملتا، تو ظاہر ہے کہ ہم بھٹکتے رہتے، ہماری منزل کیا ہوتی، ہم خدا جانے کہاں جاکر تباہ وبرباد ہوتے، اور اگر دیکھا جائے تو رشتوں میں ایک دوسرے کو جو حقوق بتائے گئے یہ بھی آپ ﷺ کی دین ہے، اگر آپ حقوق نہ بتاتے تو ماں کو ماں کا حق نہ ملتا، باپ کو باپ کا حق نہ ملتا، بھائی کو بھائی کا حق نہ ملتا، پڑوسی کو پڑوسی کا حق نہ ملتا، کسی کو کوئی حق نہ ملتا، تو جو کچھ بھی اس وقت خیر نظر آرہا ہے، جو کچھ انسانیت نظر آرہی ہے، محبت نظر آرہی ہے، وہ سب آپ ﷺ کا صدقہ ہے، اگر آدمی غور کرے تو پھر دل کے اندر جذبات پیدا نہ ہوں؟ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایک ابال پیدا ہوگا کہ اگر واقعۃً کوئی ذات حقیقت میں محبت کے لائق ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ کی ذات اقدس ہے، تو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی محبت پر اگر غور کیا جائے تو ایک فطری تقاضا بھی ہے، مسئلہ صرف اکتساب کا نہیں۔

محبت کی قسمیں

بعض حضرات نے یہ تقسیم کی ہے: محبت طبعی اور محبت عقلی، یا محبت طبعی اور محبت ایمانی، یہ جو ایمانی محبت ہوتی ہے، اس کا آغاز عقل سے ہوتا ہے، لیکن یہ محبت پھر طبیعت کے اندر منتقل ہو جاتی ہے، دل کے اندر منتقل ہو جاتی ہے، طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، چونکہ اس میں دونوں حصے آجاتے ہیں، عقل کا بھی حصہ ہوتا ہے اور پھر دل کا بھی حصہ ہوتا ہے تو بعض مرتبہ یہ جو محبت ہوتی ہے یہ عام طبعی محبت سے بہت آگے بڑھ جاتی ہے، جو محبت ایک باپ کو یا ماں کو اولاد سے ہے، وہ صرف طبعی محبت ہے، وہ عقلی محبت نہیں ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو محبت ہوتی ہے، چونکہ اس کا آغاز عقل سے ہوتا ہے، اس کے بعد وہ چیز طبیعت میں داخل ہوتی ہے، تو اس لیے یہ محبت طبعی محبت سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔

دنیا کا حال

طبعی محبت میں ہوسکتا ہے کہ آدمی بعض مرتبہ عقل سے سوچے تو اس کے نتیجہ میں پیچھے ہٹ جائے، جیسا کہ آج یورپ میں ہو رہا ہے اور ہمارے ملک میں بھی ہونے لگا کہ لوگ اپنے بوڑھے ماں باپ کو اولڈ ایج ہوم (Old Age Home) میں ڈال دیتے ہیں، وہاں آج کل حال یہی ہے کہ عقل ہے دل نہیں ہے، لوگ عقل سے سوچتے ہیں تو نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ ماں باپ کو اولاد سے محبت نہیں ہوتی، طبعی تقاضوں کے باوجود محبت نہیں ہو رہی ہے، اس لیے کہ وہ وہاں فیصلہ عقل کی بنیاد پر کر رہے ہیں، وہ حساب لگاتے ہیں کہ اگر ہم اپنی اولاد پر خرچ کریں گے، تو یہ پچاس لاکھ ڈالر خرچ ہوگا، جب یہ بڑا ہو جائے گا تو چھوڑ کر بھاگ جائے گا، ہمیں اس سے کچھ نہیں ملے گا، اب دیکھئے یہ عقل کام کر رہی ہے، دل کام نہیں کر رہا ہے، یہ نہیں سوچ رہا ہے کہ ہماری اولاد ہے، ہمارے اوپر ذمہ داری کیا ہے؟ یا یہ محبت کے اندر کا جذبہ ہے جو کرا دے، یہ نہیں، عقل سے آدمی سوچ رہا ہے کہ جب ہمیں اس سے فائدہ نہیں ہونا ہے، تو ہم اس

کی فکر کیوں کریں، یہ جانے اس کا کام جانے، یہ جائے کمائے کھائے جو چاہے کرے وہ آزاد ہے، یورپ نے یہی آزادی دی ہے کہ لڑکا بڑا ہو گیا اب وہ جانے اور جس طرح چاہے زندگی گذارے، اور بچوں کا حال یہ ہے کہ ماں باپ گویا کہ غلامی کے شکار ہیں، بچے کو ماردیا اس نے فون کردیا تو پولیس والے آکر پکڑ لے جائیں گے، عجیب وغریب غیر فطری قانون ہے وہاں، اس کے نتیجہ میں بہت مسائل پیدا ہو رہے ہیں، دوسری طرف ان کی دنیا بالکل الگ ہے، ٹیکنالوجی میں آپ دیکھیں گے تو لگتا ہے کہ آسمان کے تارے توڑ کر لا رہے ہیں، لیکن اگر آپ اخلاق وانسانیت کی طرف نگاہ کریں تو دیوالیہ نظر آتے ہیں، یوں کہا جاسکتا ہے کہ ظاہری عقل کے اعتبار سے دیکھئے تو لگتا ہے کہ بہت عقل مند ہیں، لیکن اگر جھانک کر دیکھئے تو لگتا ہے کہ ان کی عقل جانوروں کی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عجیب تضاد ہے اس وقت یورپ وامریکہ میں، ایک طرف تو ان کی طاقت آسمان سے باتیں کررہی ہے اور دوسری طرف اخلاق کا حال یہ ہے کہ وہ جانوروں کا نمونہ پیش کرتے نظر آتے ہیں، تو یہ ان کا حال ہے، تو وہ باقاعدہ عقل سے سوچتے ہیں کہ اولاد سے ہمیں آگے کیا فائدہ ہوگا نہیں ہوگا تو بس قصہ ختم کرو، وہ جانے ان کا کام جانے، تو یہ جو طبعی محبت تھی آدمی نے جب عقل سے سوچا تو کیا ہوا؟ وہ محبت بھی ختم ہوگئی، لیکن جو محبت عقل کے راستہ سے دل میں منتقل ہوتی ہے وہ ختم نہیں ہوتی، بڑی مضبوط محبت ہوتی ہے، اس لیے کہ اس میں آدمی نے محبت سوچ سمجھ کر کی ہے۔

ایمان والوں کی محبت

قرآن مجید میں اللہ ایمان والوں کی صفت بیان فرماتا ہے کہ وہ اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے، سوچ سمجھ کر، علی وجہ البصیرہ بات مانتے ہیں کہ اس میں یہ خیر ہے، یہ بھلائی ہے، جب وہ سوچ سمجھ کر بات مانتے ہیں تو وہ چیز ان کے لیے باعث اطمینان ہوتی ہے، اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جمتے ہیں، یہ عقلی محبت بھی چونکہ دماغ کے راستے

سے دل تک جاتی ہے، اوراس میں آدمی باقاعدہ غور کرتا ہے، سوچ سمجھ کر محبت پیدا ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آدمی غور کرتا ہے، صفات کے بارے میں غور کرتا ہے، اسباب محبت کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ جو اس کی شکل ہوسکتی ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ میں اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے، جب آدمی عقل کا استعمال کرتا ہے، آپ کے احسانات دیکھتا ہے، آپ کے جمال کو دیکھتا ہے، جو اسباب محبت ہیں ان پر غور کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں وہ محبت دماغ میں پیدا ہوجاتی ہے، پیوست ہوجاتی ہے اور پھر وہ بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، وہ چیز اس کے دل کے اندر اتر جاتی ہے۔

حضرات صحابہ کی محبت

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی، وہ کون سی محبت تھی؟ وہ محبت عقلی بھی تھی، وہ محبت قلبی اور طبعی بھی تھی، اور اللہ کا عجیب نظام ہے، صحابہ کا حال تو یہ تھا کہ پہلے مرحلہ پر جو عقلی محبت آئی بس فوراً ہی وہ دل کے نہاں خانوں میں اتر گئی، مسئلہ وہ صرف دماغ تک نہیں رہ گیا، دماغ کے راستہ سے وہ سیدھی دل کے اندر اتر گئی، اس لیے کہ اولاً محبت کیوں ہوئی ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے؟ غور کیجئے ان کا حال کیا تھا؟ وہ قبائل میں بٹے ہوئے تھے، قبائل ایک دوسرے کے دشمن تھے، قریش ایک قبیلہ تھا، بنو ہاشم اس کی ایک شاخ تھی، قریش کی دسیوں شاخیں تھیں، ان میں آپس میں بھی بعض مرتبہ جھگڑے ہوتے تھے، اور ایک دوسرے کی برتری گوارہ نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بنو ہاشم میں تھے، آپ کی بعثت ہوئی، تو کیا آسانی سے وہ آپ کو قبول کر لیتے؟ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قبول کیا وہ کیوں کیا؟ یہ سمجھ کر کیا کہ اب ہماری کامیابی اسی میں منحصر ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرلیں، یہ بات ان کے عقل کے اندر اتر گئی، اور جب یہ بات عقل کے اندر اتری تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں عقلی محبت بھی ان کے اندر پیدا

ہوگئی، اور جب عقلی محبت ان کے اندر پیدا ہوئی تو بس فوراً ہی دوسرے مرحلہ میں وہ محبت ان کے دل کے اندر اتر گئی، دل کے نہاں خانوں میں اتر گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں میں بڑی خصوصیات رکھی تھیں، بعض بڑی خرابیاں ان میں تھیں، لیکن بعض ایسی خصوصیات تھیں جو کہیں اور نہیں تھیں، ان میں ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کے اندر نفاق نہیں تھا، اور وہ جھوٹ کے عادی نہیں تھے، بات سچ کہتے تھے، لگی لپٹی رکھنے کا ان کا مزاج نہیں تھا کہ اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ، تو اس طرح ان کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں، دماغ میں جب محبت اتری تو فوراً وہ دلوں کے اندر اتر گئی، اور پھر ایسا کامل محبت کا نمونہ انہوں نے پیش کیا کہ تاریخ پیش نہیں کرسکتی، سیرت رسول اکرم ﷺ میں دیکھیں تو غزوۂ بدر میں جو واقعات پیش آئے، وہ آخری نمونہ ہیں، آدمی اگر غور کرے تو سمجھ میں آئے گا کہ کس طرح ان کے اندر فدائیت تھی، اور ایک نہیں، اس کے دسیوں واقعات موجود ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ محبت جو انہوں نے سوچ سمجھ کر اختیار کی وہ محبت ان کے دلوں کے اندر اتر گئی۔

حقیقی محبت

جو محبت دماغ میں بھی ہوتی ہے، اور دل میں بھی ہوتی ہے، وہ محبت بڑی پائیدار ہوتی ہے، وہ ختم نہیں ہوتی ہے، اور جو محبت صرف دماغ میں ہوتی ہے، وہ بھی ذرا خطرہ میں رہتی ہے، اور جو محبت صرف دل میں ہوتی ہے وہ بھی خطرہ میں رہتی ہے، لیکن جب دل و دماغ دونوں کا ملاپ ہوجاتا ہے، تو ایک بڑی زبردست قسم کی طاقت وجود میں آتی ہے، اسی لیے حضرت مولانا ایک بات بار بار کہتے تھے کہ صرف دماغ کا مسلمان ہونا کافی نہیں، اور نہ صرف دل کا مسلمان ہونا کافی ہے، دلوں کا بھی مسلمان ہونا ضروری، اور دماغ کا بھی مسلمان ہونا ضروری، تب ایمان کی صحیح طاقت پیدا ہوتی ہے، یہ ایمان جو مکمل ہوتا ہے وہ اس محبت سے مکمل ہوتا ہے، جس کا تعلق دل سے بھی

ہواور دماغ سے بھی ہو، اس کا ایمان دل میں بھی ہوتا ہے، اس کا ایمان دماغ میں بھی ہوتا ہے، اگر وہ ایمان ایک جگہ ہو، تو پھر وہ خطرہ میں ہے۔

محبت کی کسوٹی

اللہ ورسول اور اس کے دین پر اگر کسی بھی چیز کو کوئی ترجیح دیتا ہے تو قرآن مجید میں اس کو سخت وارننگ دی گئی ہے، ارشاد ہوا:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبہ: ٢٤)

(آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کما رکھا ہو اور وہ کاروبار جس کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں ڈر ہو اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہوں اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)

یہ فیصلے کا وقت ہوتا ہے کہ ایک طرف دنیا ہے، اور دنیا کی راحتیں ہیں، اور سہولتیں ہیں، اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں، آپ کے ارشادات ہیں، اب یہ فیصلہ کا وقت ہے کہ تمہارا تعلق کس سے زیادہ ہے؟ ایک طرف کاروبار ہے، ایک طرف بھائی بند ہیں، بیویاں اور خاندان ہیں، اور وہ مال ہے جو بڑی محنت سے کمائے گئے ہیں، وہ تجارت ہے جس کے ماند پڑ جانے کا ڈر ہے، یعنی لگ رہا ہے کہ اگر ذرا بھی اس میں ہم نے کوتاہی کی تو ہمیں زبردست قسم کا نقصان

ہوجائے گا، ایسے اعلیٰ قسم کے مکانات ہیں کہ جن کو دیکھ کر آدمی خوش ہوتا ہے، جو اس کو پسند ہیں، یہ ساری چیزیں ایک طرف، اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، مکان اس نے سود کے پیسوں سے بنایا ہے، یا اعلیٰ قسم کی اس نے گاڑیاں لی ہیں، وہ سودی قرض کے ذریعہ سے لی ہیں، اور غلط طریقے اس نے اختیار کئے ہیں، اب ایک طرف وہ ساری چیزیں موجود ہیں، ایک طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم موجود ہے، یہ ہے موقع فیصلہ کا کہ اس کو کس سے تعلق زیادہ ہے، اس کو دنیا کی ان چیزوں سے زیادہ تعلق ہے، یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ تعلق ہے، آدمی اس وقت اگر فیصلہ کر رہا ہے کہ اصل تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ فیصلہ کر کے دنیا کی ان چیزوں سے دست بردار ہو رہا ہے، تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس کے دل میں واقعۃً محبت ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی، اب یہاں پر دو باتیں ہیں: یہ محبت اگر عقلی بھی ہے اور طبعی بھی ہے تو ان چیزوں پر لات مار دینا اس کے لیے آسان ہے، اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں، لیکن اگر صرف عقلی ہے ابھی طبعی نہیں بنی، تو کام بڑا مشکل ہے، مکان چھوڑ دینا کچھ آسان نہیں، گاڑی چھوڑ دینا کوئی آسان نہیں، گھر والوں کے مزاج کے بالکل خلاف کر لینا کچھ آسان نہیں، یہ سب کام بہت مشکل ہیں، لیکن عقل سے آدمی سوچ کر طے کرے گا کہ چونکہ ہماری کامیابی کا راستہ وہ ہے جو راستہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا تو ہمیں فیصلہ یہی کرنا ہے کہ جو آپ کا کہا ہوا ہے اسی پر عمل کیا جائے گا، اس لیے کہ آپ کی محبت کا یہی تقاضا ہے، عقل سے آدمی فیصلہ کر رہا ہے، اس کو دشواری پیش آ رہی ہے، لیکن عمل کر رہا ہے، یہی محبت عقل سے جب متجاوز ہو کر دل تک پہنچتی ہے، اندر اتر جاتی ہے، پھر اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ ان چیزوں پر لات مار دینا اس کے لیے بہت آسان ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کی کسی چیز کی اس کے نزدیک کوئی قیمت ہی نہیں ہوتی، ساری قیمت ہوتی ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی،

ادنی سے ادنی اور معمولی سے معمولی اپنے جذبہ کو قربان کرنا وہ نہیں چاہتا، جو دینی جذبہ اس کو ملا ہے، جو اللہ سے محبت کا ایک حصہ اس کو ملا ہے، دنیا کی ساری دولت ایک طرف رکھ دی جائے، لیکن اگر واقعۃً اس کے اندر صحیح محبت ہے، وہ محبت دل میں بھی ہے اور دماغ میں بھی ہے تو اس کے لیے دنیا کا سب کچھ قربان کردینا آسان ہوجاتا ہے، وہ چیز اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، وہ اس کے مزاج میں داخل ہوجاتی ہے۔

ایمان کی حلاوت

"ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان، أن يكون الله و رسوله أحب اليه مما سواهما، وأن يحب المرء لا يحبه الا لله، وأن يكره أن يعود في الكفر كما يكره أن يقذف في النار"(۱)

(جس شخص کے اندر تین باتیں ہوں اس کو ایمان کی حلاوت (چاشنی ولذت) محسوس ہوگی: ۱- اللہ اور اس کے رسول ﷺ ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، ۲- وہ کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لیے کرے، ۳- وہ کفر کی طرف بھی دوبارہ لوٹنا اتنا ہی ناپسند کرے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے)

یہاں تین علامتیں بیان فرمائیں کہ اگر وہ تین چیزیں پیدا ہوجائیں، تو پھر آدمی کو ایمان کی حلاوت حاصل ہوجاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ تینوں خصلتیں خاص محبت ہی سے تعلق رکھتی ہیں، پہلی خصلت جو آپ نے بیان فرمائی وہ واضح طور پر یہی ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ سے سب سے زیادہ محبت ہو، ماسوا سے زیادہ محبت، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ جو کچھ بھی ہو، وہ ساری چیزیں نگاہوں میں ہوں، اس کی قیمت، اس کے فوائد نگاہوں میں ہوں، لیکن ساری چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے ہیچ ہوں، اللہ و رسول کی محبت اس قدر غالب ہو کہ ہر چیز اس

(۱) بخاری، کتاب الایمان، باب من كره أن يعود في الكفر كما يكره أن يلقى: ۲۱

کے آگے نگاہ میں گر جائے، جیسے کوئی چیز نگاہ میں جچتی نہیں، ایک مرتبہ کوئی خوبصورت و حسین شخص نظر آ جائے کہ کہیں ایسا نظر نہ آیا ہو، اس کے بعد وہ شخص کسی کو بھی دیکھے تو وہ نگاہوں میں جچتا ہی نہیں، تو یہ ہے اللہ کی محبت ایسی راسخ ہو جائے کہ پھر کوئی نگاہوں میں ہی نہ جچے، دوسری بات یہ کہ جب اللہ کی محبت غالب ہو جاتی ہے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، آدمی کا پھر ہر کام جو ہوتا ہے اس کے سوتے وہیں سے پھوٹتے ہیں، کوئی چیز اپنے دل و دماغ سے نہیں چلتی، بلکہ ہر چیز کے سوتے اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے پھوٹتے ہیں، اب دنیا میں کسی سے محبت ہے تو اس لیے کہ وہ شخص اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے، وہ شخص ایسا ہے کہ اللہ کو اس سے محبت ہے تو ہمیں اس سے محبت ہے، وہ شخص ایسا ہے کہ وہ دین سے محبت رکھتا ہے تو ہمیں اس سے محبت ہے، وہ شخص ایسا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم اس سے محبت کریں تو ہمیں اس سے محبت ہے، تو گویا کہ یہ محبتیں جو دنیا کی ہیں، اس کا رشتہ اللہ کی محبت سے جڑ جاتا ہے، خود اس کی طرف سے کوئی بات نہیں ہوتی، کسی سے اس کو محبت خود نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے واسطہ اور رشتہ سے ہوتی ہے، جو آپ کا محبوب وہ ہمارا محبوب، جو آپ کا محبّ وہ ہمارا محبوب، آپ سے جو کسی حیثیت سے تعلق رکھنے والا وہ ہمارا محبوب، اور یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے، اس کی گلی سے محبت ہوتی ہے، تو ظاہر ہے جو جس سے محبت کرنے والا ہے، کوئی اس کا محبوب ہے تو اس سے محبت کا پیدا ہونا ایک طبعی چیز ہے، یا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اس سے تمہیں محبت کرنی ہے، تو ظاہر ہے کہ ہمارا محبوب کہہ رہا ہے کہ فلاں سے تمہیں محبت کرنی ہے، تو ہمیں بھی اس سے محبت ہے تو اب دنیا میں جس سے بھی اسے محبت ہے وہ گویا کہ اللہ کے لیے محبت ہے، گویا کہ اس کا رشتہ اللہ کی محبت سے ملتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب اس طرح کی محبت پیدا ہوگئی، ایسی ایمان کی حلاوت اس کو حاصل ہوگئی تو اب کیا ہوگا استقامت اس کو نہ ملے گی تو کس کو ملے گی، اور اس کے نتیجہ میں یہ بات

بھی پیدا ہوگی، جس کو تیسرے نمبر پر بیان فرمایا کہ کفر میں لوٹنا اس کو ایسا ہی سخت گذرے اور اس کو سوچ کر جھرجھری آجائے جیسے کوئی شخص آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے، کسی کو کہا جائے کہ تمہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا تو اس پر جھرجھری طاری ہوجائے گی اور ایک خوف کی کیفیت طاری ہوجائے گی کہ اگر آگ میں ڈال دیا گیا تو ہمارا کیا بنے گا، تو جب اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اس درجہ ہوجاتی ہے تو ظاہر ہے کہ آدمی کے اندر ایسی استقامت وحلاوت پیدا ہوتی ہے کہ پھر کفر پر لوٹنے اور اللہ سے بغاوت کرنے کے متعلق وہ تصور نہیں کرسکتا، ظاہر ہے اپنے محبوب سے کون بغاوت کرسکتا ہے، وہ محبوب کہ جس کی محبت دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہو، اس کے بارے میں آدمی کیا سوچ سکتا ہے یا تصور کرسکتا ہے کہ اس سے جدائی ہوجائے؟ یہ امکان ہی نہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے کہ کفر پر لوٹنا اس کے لیے ناممکن ہوجاتا ہے۔

محبت کے فوائد

اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کے جو فوائد ہیں وہ بے حد وحساب ہیں، ان میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر قربان ہوتا ہے، اس طرح آپ ﷺ کی اطاعت آسان ہوجاتی ہے، اس کی تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں، دوسرا بڑا فائدہ جو ہر محبت کرنے والے کے لیے بڑی بشارت ہے اور وہ بشارت خود زبان نبوت سے دی گئی ہے کہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ

"متی الساعة" (قیامت کب آئے گی)

آپ ﷺ نے فرمایا:

"ما أعددت لها" (تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے)

انہوں نے کہا کہ میں نے نماز، روزہ، صدقات وزکاۃ کی کثرت کرکے کوئی بڑی تیاری تو نہیں کی ہے، البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"أنت مع من أحببت"(۱)

(تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تمہیں محبت ہے)

صحابہ فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے بعد ہم کو جو خوشی ہوئی وہ اسلام کے بعد کسی چیز سے نہ ہوئی تھی۔

حضرت صفوان بن قدامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہجرت کرکے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنا دست مبارک دیجئے کہ میں آپ سے بیعت کرلوں، آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک عنایت فرمایا، تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے محبت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"المرء مع من أحب"(۲)

(آدمی جس سے محبت کرے گا اس کے ساتھ ہوگا)

اسی طرح ایک روایت منقول ہے کہ ایک صحابی حاضر خدمت ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے نبی آپ مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہیں، مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو برداشت نہیں کر پاتا جب تک حاضر ہوکر آپ کی زیارت نہ کرلوں، مجھے اپنی اور آپ کی موت کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ آپ جنت میں امتیاز کے ساتھ بلند ترین مقام پر ہوں گے، اور اگر میں جنت میں گیا تو میں آپ کو کیسے دیکھ سکوں گا تو اللہ تعالیٰ نے آیتیں نازل فرمائیں:

(۱)صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب علامة حب اللّٰهعزوجل: ٦١٧١

(۲)المعجم الأوسط، من اسمه ابراهيم: ٢٠٠١

﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا﴾ (النساء: ٦٩)

(اور جو لوگ اللہ اور رسول کی پیروی کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین وشہداء اور نیکوکار اور یہ کیا ہی خوب ساتھی ہیں)

آپ نے ان صحابی کو بلوا کر یہ آیتیں ان کو سنائیں۔(۱)

سچی محبت کی نشانیاں

سچی محبت کی پہلی علامت یہی ہے کہ محبت کرنے والا آپ ﷺ کی ہر چیز کو اپنی ہر چیز پر ترجیح دے، آپ ﷺ کی پوری پیروی کی جائے، سنتوں کا اہتمام ہو اور ہر حال میں آپ ﷺ کی زندگی کو نمونہ بنایا جائے، اپنی خواہشات پر آپ ﷺ کے احکامات کو ترجیح دی جائے، ایک مرتبہ حضرت انسؓ سے خطاب فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

”یا بني ان قدرت أن تصبح و تمسى وليس فى قلبك غش لأحد فافعل فان ذلك من سنتي، ومن أحب سنتى فقد أحبنى ومن أحبنى كان معى فى الجنة“(۲)

(بیٹے اگر تم کر سکو تو ضرور کرنا کہ تم صبح وشام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے بارے میں میل نہ ہو، اس لیے کہ یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ کو زندہ کرے گا تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)

---

(۱)شعب الایمان للبیهقی فی حب النبيﷺ: ۱۳۱۷

(۲)ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع: ۲۸۹٤

یہ بھی محبت کی نشانی ہے کہ آپ ﷺ کا کثرت سے تذکرہ ہو، آپ ﷺ سے ملاقات کا شوق ہو اور بکثرت درود شریف پڑھا جائے۔

اور یہ بھی علامات محبت میں سے ہے کہ آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت ہو، حضرات صحابہ، اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہو، خاص طور پر خلفاء راشدین، حضرات حسنین، آپ کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات سے دلی محبت وعظمت ہو، آپ ﷺ نے صحابہ سے محبت کو ایمان کی علامت فرمایا اور ان سے بغض کو نفاق کی علامت قرار دیا، حضرات حسنین کے بارے میں فرمایا کہ اے اللہ! مجھے ان دونوں سے محبت ہے تو بھی ان سے محبت فرما، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے عربوں کی محبت کا بھی ذکر فرمایا کہ وہ آپ ﷺ سے قریبی نسبت رکھنے والی قوم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کو دباء (لوکی) پسند تھی، تو مجھے بھی وہ اچھی لگنے لگی۔(۱)

یہ محبت کی علامت ہے کہ ہر ہر نسبت رکھنے والی چیز سے محبت ہو، پھر آپ ﷺ کا شہر جس سے خود آپ کو محبت تھی، اس پر جان فدا کرنے کو جی چاہے، اس کے ایک ایک ذرہ سے محبت ہو، یہ سب علامتیں ہیں خود حضور پاک ﷺ سے محبت کی۔

حقیقت میں یہ بھی آپ ﷺ کی محبت کی ایک نشانی ہے کہ آپ کی امت سے محبت ہو، اس پر شفقت ہو، اس کو راہ راست پر لانے کا جذبہ ہو، دنیا کی محبت سے دل خالی ہو، ایک صحابی نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ اے اللہ کے نبی! مجھے آپ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان كنت تحبني فأعد للفقر تجفافا"(۲)

(اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو فقر کے لیے ڈھال تلاش کرلو)

---

(۱)صحيح البخاری، کتاب البیوع، باب ذکر الخیاط:۲۰۹۲

(۲)سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی فضل الفقر: ۲۵۲۳

حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی محبت ایمان کا جز ہے اور یہ علامتیں ہیں آپ ﷺ کی محبت کی، جس سے ہر مؤمن اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ یہ محبت اس کے دل کے نہاں خانوں میں اتر چکی ہے یا وہ صرف زبان کی حد تک ہے، اور یہ بھی محبت کی کھلی نشانی ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے والے سے ایک نفرت پیدا ہو، ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءهُمْ أَوْ أَبْنَاءهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُوْلَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيْمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُوْلَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلة:٢٢)

(جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستیاں کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قبیلے کے لوگ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا ہے اور اپنی خاص رحمت سے ان کی تائید فرمائی ہے اور وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ہیں اللہ کے لوگ، یاد رکھو! اللہ کے لوگ ہی مراد کو پہنچنے والے ہے)

اطاعت

اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ایمان کا حصہ ہے، اور یہ ایمان والوں پر آپ ﷺ کے بنیادی حقوق میں شامل ہے، جو شخص آنحضور ﷺ کی اطاعت کو ضروری نہ سمجھے وہ ایمان سے خارج ہے، اور آپ ﷺ کی حق تلفی کرنے والا ہے، یہ سمجھنا کہ صرف قرآن مجید پہنچا دینا آپ ﷺ کا کام تھا وہ آپ نے پہنچا دیا اب اس پر عمل کرلینا ہی کافی ہے، پیغام قرآن کے منافی ہے، فہم قرآن کے خلاف ہے اور بغیر آپ ﷺ کی اتباع کے قرآن پر عمل ممکن ہی نہیں، ایک تو اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں اعمال کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس کی تفصیلات آنحضور ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، جب تک آدمی ان تفصیلات سے واقف نہ ہو اس وقت تک وہ ان احکامات قرآنی پر عمل نہیں کرسکتا، دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیسیوں جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت و پیروی کی جائے اب اگر کوئی شخص حضور ﷺ کی اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتا گویا کہ وہ قرآنی حکم کو ضروری نہیں سمجھتا، اور کسی بھی قرآنی حکم کو ضروری نہ سمجھنا انکار قرآن کے مرادف ہے۔

ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی پیروی کے ساتھ جوڑا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور: ٥٤)

(اور اگر تم ان کی بات مانو گے تو ہدایت پا جاؤ گے)

ہدایت کا راستہ تنہا یہی ہے کہ ہر معاملہ میں آپ ﷺ کے دیئے ہوئے راستہ پر چلا جائے، اس سے بات واضح ہوگئی کہ جو جتنا زیادہ اسوۂ رسول ﷺ کو اختیار کرے گا اتنا ہی وہ ہدایت پر ہوگا، اسی لیے سورۂ فاتحہ میں ہدایت کی جو دعا بار بار مانگی جاتی ہے:

﴿اهدِنَــــا الصِّرَاطَ المُستَقِيم﴾ (الفاتحة:٦)

(ہمیں سیدھا راستہ لے چل)

اس کے فوراً بعد یہ کہہ دیا گیا:

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِم﴾ (الفاتحة: ٧)

(ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا)

اور ظاہر ہے منعم **علیھم** بندوں میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء ﷺ کا ہے، اس سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہدایت کا حصول آپ ﷺ کی پیروی سے جڑا ہوا ہے، اور ایک دوسری آیت سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اطاعت کرنے والے انبیاء وصدیقین کے ساتھ ہوں گے، ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيْقا﴾ (النساء: ٦٩)

(اور جو لوگ اللہ اور رسول کی پیروی کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین وشہداء اور نیکوکار اور یہ کیا ہی خوب ساتھی ہیں)

قرآن مجید میں آنحضور ﷺ کی اطاعت کا حکم مختلف پیرایوں میں دیا گیا ہے، اور اطاعت نہ کرنے پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَطِيْعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ فإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِيْن﴾ (آل عمران: ٣٢)

(آپ کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی بات مانو پھر اگر وہ منھ پھیر لیں تو
اللہ انکار کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

اس آیت شریفہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اطاعت نہ کرنا کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے، اب اگر کوئی محض غفلت کی بنا پر کوتاہی کرتا ہے تو اس کا عمل نہایت نامناسب ہے، اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ غفلت میں پڑ کر حضور ﷺ کا مبارک طریقہ چھوڑیں اور اگر کوئی روگردانی کرتا ہے، جان بوجھ کر اعراض کرتا ہے اور اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتا تو وہ کفر تک پہنچ جاتا ہے، حقیقت میں "تولّی" کے معنی ہی یہی ہیں یعنی جان بوجھ کر اعراض کرنا، آپ ﷺ کی کسی بات سے اعراض اور انکار کفر ہے۔

سورۂ نساء کی ایک آیت میں بات اور صاف کردی گئی کہ آنحضور ﷺ کی اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے، اگر کوئی اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے تو اس کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنی ہوگی، ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ
عَلَيْهِمْ حَفِيظاً﴾ (النساء: ۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو
پھر گیا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی داروغہ بنا کر نہیں بھیجا)

آیت کا اگلا حصہ جہاں آپ ﷺ کی تسلی کے لیے ہے وہیں اس میں اطاعت نہ کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کے لیے ایک دھمکی بھی ہے، اگر لوگ آپ کی بات نہیں مانتے، پیروی نہیں کرتے، تو اس کا آپ ﷺ کو نہ کوئی نقصان ہے اور نہ آپ پر کوئی ذمہ داری ہے، لیکن نافرمانی کرنے والوں کے لیے سخت خطرہ کی بات ہے۔

مکمل سپردگی

اگلی آیت میں یہ وضاحت بھی کی جارہی ہے کہ صرف زبان سے اطاعت کا اقرار کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ اقرار دل کی گہرائیوں کے ساتھ ہو، ورنہ تو یہ نفاق کی

قسم ہے، منافقین کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُواْ مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ وَكَفَى بِاللّهِ وَكِيلاً﴾ (النساء: ۸۱)

(اور وہ کہتے ہیں فرماں برداری قبول ہے پھر جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ایک گروہ راتوں رات جو بات آپ کہہ رہے تھے اس کے خلاف مشورے کرتا ہے اور وہ جو کچھ راتوں کو مشورے کرتے ہیں اللہ وہ سب لکھ رہا ہے، بس آپ ان سے اعراض کیجیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور کام بنانے کے لیے اللہ ہی کافی ہے)

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَاحْذَرُواْ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُواْ أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلاَغُ الْمُبِينُ﴾ (المائدة: ۹۲)

(اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور چوکنے رہو پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کا کام تو صاف صاف پہنچا دینا ہے)

اس آیت میں بڑی احتیاط کی ہدایت کی جارہی ہے کہ کوئی کام بھی نافرمانی کا نہ ہو، اور آدمی پھونک پھونک کر قدم رکھے اور ہوشیار رہے کہ کوئی قدم بھی اللہ کے رسول ﷺ کے طریقہ کے خلاف نہ اٹھنے پائے۔

اسی مضمون کی آیت سورۂ تغابن میں بھی ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (التغابن: ۱۲)

(اور اللہ کی اور رسول کی بات مانو پھر اگر تم منھ پھیرتے ہو تو ہمارے

رسول کی ذمہ داری تو (پیغام) صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے)

قرآن مجید میں جا بجا اللہ کے ساتھ اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے، ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾(الأنفال:١)

(اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر تم واقعی ایمان والے ہو)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ایمان کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ (الأنفال: ٢٠)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور اس سے روگردانی مت کرو جبکہ تم سن رہے ہو)

سورۂ انفال میں ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الأنفال:٤٦)

(اور اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور آپس میں جھگڑا مت کرنا ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور جمے رہو بیشک اللہ جمنے والوں کے ساتھ ہے)

ہر حال میں اطاعت

اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے، آپ ﷺ جو حکم فرمائیں اس پر عمل کرنا اور جس سے روک دیں اس سے باز رہنا ایمان والوں کی ذمہ داری ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾

(الحشر: ٧)

(اور رسول تمہیں جو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز رہو)

صحابہ تو اولین مخاطب تھے اور ان کی اطاعت کا حال یہ تھا کہ ایسی فرمانبرداری کے نمونے شاید ہی دیکھنے میں آئیں، شراب کی حرمت کا اعلان ہوا، آنحضور ﷺ نے قاصد بھیجا تاکہ لوگوں کو بتادے، آنحضور ﷺ کی طرف سے اعلان ہوا اور لوگوں نے منھ سے لگے جام توڑ دیئے، (۱) ایک مرتبہ خطبہ کے لیے آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ لوگ بیٹھ جائیں جو جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا، جو حضرات ابھی مسجد میں داخل ہو رہے تھے وہ دروازے ہی پر بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ارے تم وہیں بیٹھ گئے آگے آجاؤ، انہوں نے فرمایا کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو زیبا نہیں کہ آپ فرمائیں بیٹھ جاؤ پھر وہ کھڑا رہے، (۲) ایک صحابی ریشم کا لباس پہن کر آئے، آنحضور ﷺ نے ناپسندیدگی ظاہر فرمائی، وہ مجلس سے نکل کر گئے اور اتار کر اس کو آگ لگادی، لوگوں نے کہا کہ عورتوں کے کام آجائے گا ضائع نہ کرو، کہنے لگے کہ جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے ناپسند کیا اس کو باقی رکھنا مجھے گوارہ نہیں (۳) اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو اطاعت کے باب میں عنوانات کا درجہ رکھتے ہیں اور رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ ہیں، ایسے حضرات کے بارے میں قرآن مجید آپ ﷺ کی زبانی کہلواتا ہے:

﴿فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾

(آل عمران: ۲۰)

(پھر بھی اگر وہ آپ سے حجت کریں تو آپ فرما دیجیے میں نے اور میری بات ماننے والوں نے اپنی ذات کو اللہ کے حوالہ کر دیا ہے)

آنحضور ﷺ نے ایسے لوگوں کو اللہ کے حکم سے اپنے ساتھ شامل فرمایا ہے اور یقیناً یہ حضرات صحابہ کے لیے ایک بڑی گواہی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم بیع الخمر: ٤١٢٦

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الامام یکلم الرجل فی خطبته: ١٠٩٣

(۳) سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الحمرة: ٤٠٦٨

نافرمانوں کا انجام

بات نہ ماننے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے انجام کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے، ایک جگہ ان کی حسرت ویاس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَعَصَوُاْ الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ﴾ (النساء: ٤٢)

(جنھوں نے انکار کیا اور رسول کی بات نہ مانی اس دن وہ تمنا کریں گے کہ کاش کہ وہ مٹی میں ملا دیئے گئے ہوتے)

سورۂ انفال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں اور ان سے دشمنی مول لینے والوں کو سخت آگاہی دی جارہی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ اللّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

(الأنفال: ١٣)

(اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے تو بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے)

ایک روایت میں سخت آگاہی دیتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ٦٣)

(تو جو لوگ بھی ان کی حکم عدولی کررہے ہیں وہ خبردار رہیں کہ وہ کسی فتنہ میں نہ پڑجائیں یا کہیں دردناک عذاب ان کو نہ آدبوچے)

اور حقیقت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی نافرمانی وہی کرے گا جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلے گا، اس کے سامنے صرف اپنی چاہتیں اور دولت وعزت کی ہوس ہوگی، اس کو نہ سچ کی تلاش ہوگی اور نہ وہ اپنے خالق ومالک کی طرف سے آئے ہوئے حق کو پہچاننا چاہے گا، ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص: ٥٠)

(پھر اگر وہ آپ کا جواب نہیں دیتے تو جان لیجیے کہ وہ بس اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلے، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)

کفار و منافقین کا طرز عمل

اللہ تعالیٰ نے کفار و منافقین کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ بات نہیں مانتے اور اکڑتے ہیں، گویا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کو کفر و نفاق کی علامت بتایا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُوداً﴾ (النساء: ٦١)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ تو آپ ان منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف (آنے میں) اٹک اٹک کر رہ جاتے ہیں)

کفار و مشرکین کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُواْ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ﴾ (المائدة: ١٠٤)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا اس کی طرف اور

رسول کی طرف آجاؤ (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہم کو کافی ہے خواہ ان کے باپ دادا ایسے ہوں کہ نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ صحیح راہ چلتے ہوں)

احادیث میں اتباع رسول ﷺ کا حکم

قرآن مجید میں جابجا آپ ﷺ کی پیروی کا حکم ہے اور نافرمانی کرنے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے، خود نبی اکرم ﷺ نے احادیث میں بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے، یہ اعجاز نبوی ہے آپ ﷺ نے یہ محسوس فرمالیا تھا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ لوگ حدیث وسنت کا انکار کریں گے، نبوت کی پرجلال آواز نے یہ اعلان کیا:

"لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر من أمرى مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا ندرى ما وجدنا فى كتاب الله اتبعناه"(۱)

(میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں اس حال میں کہ وہ اپنی مسہری سے ٹیک لگائے رہے اور اس کے پاس میرا فرمان پہنچے، جس میں میں نے کسی چیز کا حکم دیا ہو یا کسی چیز سے روکا ہو، تو وہ کہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے، ہم نے جو اللہ کی کتاب میں پایا اسی کی پیروی کی)

ایک مرتبہ کچھ حضرات نے اپنے اپنے طور پر طے کرلیا کہ رات دن عبادت میں گذاریں گے، آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"ما بال أقوام يتنزهون عن الشئ أصنعه، فوالله انى لأعلمهم بالله وأشدهم له خشية"(۲)

---

(۱) سنن أبى داؤد، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة: ٤٦٠٧

(۲) صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب من لم يواجه الناس بالعتاب: ٦١٠١

(لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اس چیز سے بچتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں، قسم بخدا! میں ان میں سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

"القرآن صعب مستصعب لمن كرهه ميسر لمن اتبعه ومن سمع حديثي فحفظه وعمل به جاء يوم القيامة مع القرآن ومن تهاون بحديثي فقد تهاون بالقرآن ومن تهاون بالقرآن خسر الدنيا والآخرة"(۱)

(قرآن سخت ودشوار ہے اس شخص کے لیے جو اس کو پسند نہ کرے اور اس شخص کے لیے آسان ہے جو اس کی اتباع کرے اور جو میری حدیث سنے گا اس کو محفوظ رکھے گا اور اس کے مطابق عمل کرے گا وہ قیامت میں قرآن مجید کے ساتھ آئے گا اور جس نے میری حدیث کی بے وقعتی کی اس نے قرآن کی بے وقعتی کی اور جس نے قرآن کی بے وقعتی کی اس نے دنیا وآخرت میں نقصان اٹھایا)

مزید ارشاد ہوا:

"من اقتدى بي فهو مني ومن رغب عن سنتي فليس مني"(۲)

(جس نے میری اقتداء کی وہ مجھ میں سے ہے اور جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے مثال سے بات سمجھائی، ارشاد ہوا:

"كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى، قالوا: يا رسول الله، ومن يأبى؟ قال: من أطاعني دخل الجنة، ومن عصاني فقد أبى"(۳)

(۱) كنز العمال: ۲٤٦۸ (۲) مسند أحمد: ۲٤۱۸۹

(۳) بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب، باب الاقتداء بسنن رسول الله: ۷۲۸۰

(میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا، سوائے اس کے جس نے انکار کیا، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون شخص ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا)

ایک دوسری حدیث میں مثال پیش فرمائی، ارشاد ہوا:

"جاء ت ملائكة الى النبي صلى الله عليه وسلم وهو نائم، فقال بعضهم انه نائم، وقال بعضهم: ان العين نائمة والقلب يقظان، فقالوا: ان لصاحبكم هذا مثلا فاضربوا له مثلا، فقال بعضهم: انه نائم، وقال بعضهم: ان العين نائمة والقلب يقظان، فقالوا: مثله كمثل رجل بنى دارا، وجعل فيها مأدبة وبعث داعيا، فمن أجاب الداعى دخل الدار وأكل من المأدبة، ومن لم يجب الداعى لم يدخل الدار ولم يأكل من المأدبة، فقالوا: أولوها له يفقهها، فقال بعضهم: انه نائم، وقال بعضهم: ان العين نائمة والقلب يقظان، فقالوا: فالدار الجنة، والداعى محمد صلى الله عليه وسلم، فمن أطاع محمدا صلى الله عليه وسلم فقد أطاع الله، ومن عصى محمدا صلى الله عليه وسلم فقد عصى الله، ومحمد صلى الله عليه وسلم فرق بين الناس"(۱)

(نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ فرشتے آئے، جب کہ آپ ﷺ سو رہے تھے، تو ان میں سے بعض نے کہا: آپ سو رہے ہیں، اور بعض نے کہا: آنکھ سو رہی ہے اور دل بیدار ہے، تو انہوں نے کہا: تمہارے ان ساتھی کی ایک مثال ہے تو تم ان کی مثال بیان کرو، تو ان میں سے

(۱)صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ: ۷۲۸۱

بعض نے کہا: بے شک آپ سو رہے ہیں، اور بعض نے کہا: بے شک آنکھ سو رہی ہے مگر دل بیدار ہے، تو انھوں نے کہا: ان کی مثال ایسے شخص کی ہے جس نے گھر بنایا اور اس میں دسترخوان سجایا اور ایک بلانے والے کو بھیجا، اب جو بلانے والے کی بات مانے گا وہ گھر میں داخل ہو جائے گا اور دسترخوان سے کھانا کھائے گا، اور جو بلانے والے کی بات نہ مانے گا نہ وہ گھر میں آئے گا اور نہ دسترخوان سے کھانا کھائے گا، فرشتوں نے کہا کہ اس کی تطبیق دو تا کہ یہ سمجھ لیں، بعضوں نے کہا کہ سو رہے ہیں، بعضوں نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں دل بیدار ہے، تو وہ بولے: گھر جنت ہے، بلانے والے محمد ﷺ ہیں، جس نے محمد کی بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی، محمد ﷺ ہی ہیں جو لوگوں میں حد فاصل ہیں)

اسوۂ حسنہ

قرآن مجید میں جا بجا اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے، اتباع کے باب میں یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ جس کی اتباع کرنی ہے وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا نمونہ رکھتا ہو جو ہر ایک کے لیے کشش کا باعث ہو، جس کو دیکھ کر اپنی زندگی کے نشیب و فراز سمجھ میں آئیں، جس کی روشنی تاریکیوں کو دور کر دے اور راستہ روشن کر دے، جو ایسی کامل اور مکمل انسانی زندگی کا راہبر ہو جس کی رہنمائی میں سخت گھاٹیاں بھی طے ہو سکیں، خلّاق عالم ساری انسانیت کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٞ﴾(الأحزاب: ٢١)

(یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ موجود ہے)

کمال سے اعتدال پیدا ہوتا ہے، اور اعتدال کمال کی نشانی ہے، اور حسن کمال کا نتیجہ

ہے، ''اسوۂ حسنہ'' حسنہ جب ہی ہوتا ہے، جب وہ کامل ومکمل ہو، اللہ کے آخری رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کے حسن کا مجموعہ بنایا۔

حسن یوسف، دم عیسی، ید بیضاء داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی قوموں کے لیے نمونہ بنایا، لیکن خاتم النبیین ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ قرار دیا، اور آپ ﷺ کی ذات والا صفات کو ہر طرح کے حسن ظاہر و باطن کا ایسا مظہر اتم قرار دیا کہ اس جیسا نہ پہلے ہوا، نہ ہے، نہ ہوگا۔

کوئی کسی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو وہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، خاص ہو یا عام، وہ کسی کا باپ ہو یا کسی کا شوہر، وہ کسی کا بھائی ہو یا عزیز، چھوٹا ہو یا بڑا، غرض جو بھی ہو اس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی میں نمونہ موجود ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نہایت بلیغ اسلوب میں رقم طراز ہیں:

''اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ

تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدو جہد کا نظم و نسق کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے"۔(۱)

مدینہ منورہ کے وہ دن جب قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں، سخت سردی کا زمانہ، عسرت کا دور، خندق کھودی جا رہی ہے، فاقہ کشی کا عالم ہے، لوگ پیٹ پر پتھر باندھنے پر مجبور ہیں، ایک اللہ کا بندہ اللہ کے رسول ﷺ سے اپنا یہ حال عرض کرتا ہے

(۱) ماخوذ از: خطبات مدراس، ص:۸۵-۸۶

تو آپ ﷺ اپنا پیٹ کھول کر دکھاتے ہیں کہ اس میں دو دو پتھر بندھے ہیں، ایک صحابی خندق کھودنے میں مصروف ہیں، مضبوط چٹان حائل ہو جاتی ہے، آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، آپ ﷺ اسی حال میں تشریف لے جاتے ہیں اور ایک ہی وار میں وہ چٹان تودہ خاک ہو جاتی ہے، اور اس سخت عسرت کے وقت آپ ﷺ کی مبارک زبان سے نکلتا ہے کہ مجھے کسریٰ وقیصر کے محلات دیئے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں، آپ کا نمونہ ان حضرات کے سامنے ہے، سخت سے سخت حالات میں بھی ان کے پاؤں میں لغزش نہیں ہوتی، اور یہ آیت شریفہ اترتی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

وہ سب کے سب اللہ سے ملاقات کے مشتاق اور آخرت کے دن کا یقین رکھنے والے ہیں، اللہ کے یہاں بے حساب نعمتوں کے لیے، ہر طرح کی قربانی کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں، وہ ایمان رکھتے ہیں کہ وہاں کی کامیابی صرف اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے میں ہے، اس کو اپنی زندگی میں لانے کے لیے وہ سب کچھ نچھاور کر سکتے ہیں۔

یہ اسوۂ حسنہ زندگی کے تمام لمحات کے لیے ہے، وہ خوشی کے لمحات ہوں یا غم کے، راحت وآرام کے دن ہوں یا مشقت وعسرت کے، دوستوں کے ساتھ برتاؤ ہو یا دشمنوں کے ساتھ، عزیزوں کے ساتھ ہو یا غیروں کے ساتھ، آنحضور ﷺ کی مبارک زندگی ہر حال میں نمونہ ہے، اور ہر ایک کے لیے ہے۔

مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ دشواریوں سے بھری زندگی ہے، آنحضور ﷺ دعوت پیش کرتے ہیں تو آپ ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں، طائف کے بازار میں آپ ﷺ کے تن مبارک کو زخمی کیا جا رہا ہے، آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازشیں رچی جا رہی ہیں، مگر اس رحمت کا عالم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے، صحابہ اس کا نمونہ ہیں، ان میں کمزور بھی ہیں اور طاقتور بھی، ان میں بدلہ لینے کی صلاحیت رکھنے والے بھی ہیں، مگر اسوۂ حسنہ ان کے سامنے ہے، سب کچھ سنتے ہیں سہتے ہیں، اور حضور ﷺ کے طریقہ سے انحراف نہیں کرتے۔

بدر کا میدان ہے، دشمنوں کا لشکر جرار ہے، تین سو تیرہ بغیر کسی تیاری کے آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے چشم و ابرو کے منتظر ہیں، اور اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ حدیبیہ میں صلح ہورہی ہے، آپ کے متوالے آپ کے سامنے ہیں، بیت اللہ کے شوق میں نکلے ہیں، مگر حکم نبوی کے آگے سرخم ہیں، آپ نے احرام اتارا، سر مبارک میں حلق کروایا، آپ کا اسوہ ہی نجات کا ضامن ہے، اتنی تیزی سے سر منڈوائے جانے لگے کہ لگتا ہے کہیں جلدی میں سر کٹ نہ جائے (۱) اس وقت موقع تھا آپ کی طرف سے اجازت ہوتی تو مکہ والوں سے دو دو ہاتھ کرنا کیا مشکل تھا، مگر آپ ﷺ کے فیصلہ کے آگے پھر کس چیز کی گنجائش ہے۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ صحابہ نے جس ایمان ویقین کے ساتھ اختیار کیا، وہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کی عملی تفسیر بھی ہے، اور قیامت تک آنے والوں کے لیے ایک حسین تعبیر بھی، جو بھی اس کو دیکھے گا اس کو پڑھے گا وہ آگے بڑھے گا، اور بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

یہ ایک عملی دعوت بھی ہے، ایک طرف قرآن ہے دوسری طرف آپ کی حسین زندگی ہے، جو قرآن کا مرقع ہے، قرآن مجید کے پڑھنے والے کفر وشرک کی دنیا میں کتنے ہیں، مگر آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا عکس دِکھنے والے ہزاروں ہیں، جو بھی اس سانچہ میں ڈھل جائے اور اسوۂ حسنہ کی تفسیر بن جائے وہ اللہ کے یہاں بھی مقبول ہے، اور اس کی زندگی عالم انسانیت کے لیے چلتی پھرتی دعوت ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً﴾ کی ندا صحابہ نے بھی سنی اور دل میں بسالی، زندگی اس کے مطابق بنائی، اور رہتی دنیا تک کے لیے ایک نمونہ زندگی چھوڑ گئے۔

یہ ندا قیامت تک آتی رہے گی جس کو بھی اللہ سے ملاقات کا اور آخرت کے دن کا

(۱) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد...: ۲۷۳۱

یقین ہواور وہ اللہ کا خوب ذکر کرتا ہو، اس کا دھیان رکھتا ہو، وہ اس ندا پر لبیک کہے، اور اپنے ہر طرز نبوی کو اس نبوی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے، جو ہر انسان کے لیے انسان کامل کا ایک ایسا مکمل نمونہ ہے جو نہ کوئی پیش کرسکا ہے اور نہ قیامت تک پیش کرسکے گا۔

اطاعت رسول پر سب سے بڑا انعام خداوندی

دین کی جان اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے، شاعر نے خوب کہا ہے:

محمد (ﷺ) کی اطاعت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو پھر دیں نامکمل ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی اطاعت پر جس تحفہ کا اعلان فرمایا ہے وہ کسی چیز پر نہیں مل سکتا، یہ آنحضور ﷺ کی محبوبیت کی انتہاء ہے کہ ارشاد فرمادیا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)

(آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)

اس سے بڑھ کر شان محبوبیت کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی محبوبیت کی علامت قرار دیا، ترغیب کے باب میں اس سے زیادہ اور کون بات ہوسکتی ہے، اس سے ایک طرف اطاعت رسول ﷺ کی انتہائی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف آنحضور ﷺ کی انتہائی محبوبیت کا بھی، اب یہ بات ظاہر ہے کہ یہ اطاعت جتنی زیادہ مکمل ہوگی اللہ کی طرف سے اسی اعتبار سے محبوبیت حاصل ہوگی، آپ ﷺ نے قرآن مجید کی جو تفسیر فرمائی، دین کی جو تشریح فرمائی اور اپنے قول وعمل سے امت کے لیے اس کو کھول دیا اس کے ایک ایک جز پر عمل کرنا امت کی ذمہ داری ہے، یہاں تک

کہ جو شخص آنحضور ﷺ کی چال ڈھال، آپ کے عادات واطوار کا بھی شیدائی ہوگا، آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو اختیار کرے گا، اور حیات طیبہ کی ہر ہر خوشبو سے مشام جان کو معطر کرے گا، وہ اتنا ہی زیادہ محبوب الٰہی بنتا چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہوں کو بخش دیں گے، اور اگر کبھی بھول چوک ہوئی تو معاف فرما دیں گے، مگر شرط یہی ہے کہ اطاعت مکمل ہو، اور کوشش یہ کی جائے کہ سر مو اس سے انحراف نہ ہو۔

حقیقی زندگی کی ضمانت

حضور ﷺ کی اتباع حقیقت میں وہ زندگی عطا کرتی ہے جس کے بعد موت نہیں، وہ روح کی زندگی ہے، دنیا میں بھی اس سے زندگی کا مزہ ملتا ہے، انسان کا جسم فانی حیات ابدی کے لطف دوام سے آشنا ہوتا ہے اور آخرت کی حیات ابدی کا اس کو لازوال تحفہ عطا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (الأنفال: ٢٤)

(اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں ایسے کام پر بلائیں جو تمہارے لیے زندگی بخش ہے تو ان کی بات مانو اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اسی کی طرف تم کو جمع ہونا ہے)

اس آیت شریفہ میں صاف صاف یہ بات کہہ دی گئی کہ آپ کی اطاعت ہی میں زندگی ہے، اس کے بغیر زندگی کیا ہے؟ حقیقت میں ایک موت ہے، موت جسم کی نہیں روح کی، حیات کی لطافت، پاکیزگی اور حلاوت ہی حاصل نہ ہو تو وہ زندگی ہی کیا ہے، موت اس سے بہتر ہے۔

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ سے حیات دوام کے آب حیات کا جام

شریعت کی شکل میں عطا فرمایا ہے، جو اس کو پئے گا وہ کبھی نہ مرے گا اور مر کر وہ جئے گا، اس کی موت بھی ایک زندگی ہے، اس کو اس دوسری زندگی میں زندگی کی وہ رعنائیاں حاصل ہوں گی جن کا تصور بھی اس فانی زندگی میں ممکن نہیں۔

فیصلہ کن

نبی اکرم ﷺ کی اتباع ایمان کی علامت ہے، اور آپ کا اسوۂ حسنہ تمام انسانوں کے لیے روشنی کا مینار ہے، تمام ایمان والوں کو یہ لازم ہے کہ وہ ہر حال میں آنحضور ﷺ کی بات مانیں، آپ کی پیروی کریں اور اپنے دلوں اور دماغوں کو ان مبارک احکامات کے لیے ایسا ڈھال لیں کہ خواہ ظاہری طور پر کتنا ہی نقصان نظر آتا ہو، دنیا کی دولت وعزت رخصت ہوتی ہوئی نظر آتی ہو، لیکن فرمان رسالت کے آگے ہر چیز ہیچ ہو، اور جب بھی آپ ﷺ کا حکم سامنے آجائے سر تسلیم خم کردیا جائے، اور دل ودماغ کو اس پر پوری طرح مطمئن کرلیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء: ٦٥)

(بس نہیں آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم کردیں)

آپ کا ہر فیصلہ حقیقت میں فیصلہ الٰہی ہے، آپ ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ (المائدة: ٤٩)

(اور آپ تو ان کے درمیان جو اللہ نے اتارا اس کے مطابق ہی فیصلہ کرتے رہیے)

متعدد مواقع ایسے آئے کہ مشرکین مکہ نے اور پھر منافقوں نے چاہا کہ وہ آپ ﷺ سے اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرائیں مگر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی حقیقت سے آگاہ فرمادیا، اورلوگوں کی چرب زبانی ان کے کچھ کام نہ آسکی۔

اسوۂ کاملہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کون ایمان والا اس سے واقف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف فرما ہیں لیکن جذبۂ اطاعت کو ابھارنے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی جارہی ہے تاکہ عظمت رسالت دل میں بیٹھ جائے اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہوجائے، اللہ کی طرف سے یہ احسان جتلایا جارہا ہے کہ تمہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں موجود ہیں، تم براہ راست مستفید ہورہے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے، تمام کے تمام تشریعی احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں، ان میں کسی کی رغبت اور خواہشات کو دخل نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو رائے قائم فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر طرح کے مصالح اور ضروریات کے جاننے والے ہیں، علیم وخبیر ہیں، جو حکم بھی رسول کی جانب سے دیا جائے، اس میں چوں چرا کی گنجائش نہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود رائے طلب فرمائیں یا آپ کو مشورہ دیا جائے اور اس میں کسی قسم کا اصرار نہ ہو تو اس کی اجازت ہے، اس کے متعدد واقعات حدیث وسیرت میں موجود ہیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا مشورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا(۱) غزوۂ خندق کے موقع پر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مشورہ لیا(۲) غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/۳۷۸

(۲) زادالمعاد، کتاب الجهاد والمغازی، فصل رأی سلمان بحفر الخندق/ ٤٠

وسلم کی رائے مدینہ میں قیام کی تھی لیکن وہ صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھے(۱) انھوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی رائے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طیب خاطر کے لیے ان کی رائے قبول فرمالی، اس کا کچھ نقصان بھی ہوا، غزوۂ احد میں بڑے بڑے صحابہ کرام شہید ہوئے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اگر یہ اندازہ ہو جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اس میں ہے تو فوراً سر تسلیم خم کر دیتے اور اگر کوئی مشورہ کی بات ہوتی تو مشورہ بھی دیتے، حضرت بریرہؓ جو حضرت عائشہ کی خادمہ تھیں، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خانگی مشورہ دیا، انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! یہ آپ کا حکم ہے یا صرف خانگی مشورہ ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم نہیں صرف مشورہ ہے تو انھوں نے معذرت فرمالی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا، حکم نہیں دیا۔(۲)

یہ ساری تفصیل اس زمانہ تک محدود تھی جب احکامات شریعت نازل ہو رہے تھے، ان میں کبھی ردوبدل بھی ہوتا، احکامات منسوخ بھی ہوتے، لیکن تیئس سال کی مدت میں جب یہ شریعت مکمل ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گیے تو یہ پورا نظام متعین ہو گیا، اب کسی حکم میں تبدیلی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اور نہ اس کی گنجائش باقی رہی کہ کسی مسئلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کیا جاسکتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز تفصیلی طور پر بیان فرمادی، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام شریعت کی پیروی ہر امتی کا فرض ہے، اور جو کچھ منقول ہے وہ حکم شریعت ہے، یہ تقسیم اب کسی طرح ممکن نہیں کہ کسی مسئلہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری رائے کہہ کر چھوڑ دیا جائے، کوئی اگر ایسا سوچتا یا رائے رکھتا ہے تو یہ اس کے لیے خطرے کی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۂ کاملہ ہیں، آیت شریفہ میں

(۱) زرقانی:۲/۲۵ (۲) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب شفاعة النبی ﷺ

خطاب براہ راست حضرات صحابہؓ سے ہے، لیکن بالواسطہ پوری امت کو خطاب کیا جارہا ہے، اور جس طرح قرن اول میں ترتیب بدل جانے کے نتیجہ میں حیرانی و سرگردانی کا خطرہ تھا وہ خطرہ آج بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری امت کے لیے مطاع بنایا گیا، ہر امتی کی حیثیت بنیادی طور پر مطیع کی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی حیثیت بھی مطاع کی ہے، علمائے امت کو نائبین رسول اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے حامل ہیں، ان کے ان فیصلوں میں جو قرآن وسنت سے مأخوذ ہوں ان کی پیروی بھی لازم ہے، درحقیقت یہ ان کی پیروی نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

اطاعت مطلقہ

جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات طیبہ میں مطاع تھے، اسی طرح آج بھی مطاع ہیں، اور آپ کی اطاعت کا مظہر آپ کی شریعت کا اتباع ہے اور جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں آپ کی رائے کو کسی کی خواہش وضرورت یا مصلحت کی خاطر تبدیل کر دینے میں سخت حیرانی کا اندیشہ ہے، قرآن مجید میں صاف کہہ دیا گیا ہے: ﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ ''اگر وہ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بہت سے امور میں تمہاری بات مانیں تو تم چکر میں پڑ جاؤ۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چونکہ اس کا احتمال تھا کہ صحابہ کی رائے اختیار کی جاتی اور مشاورت ہوتی، اس لیے ''فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ'' فرمایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا کوئی احتمال باقی نہیں رہا، اس لیے کسی بھی منصوص حکم شرعی میں ایسی گفتگو کی بھی گنجائش نہیں، جس طرح کتاب وسنت میں وہ حکم منقول ہے اسی طرح اس کو باقی رکھنا اور عمل کرنا اور کرانا علمائے امت کی ذمہ داری ہے۔

موجودہ دور کا یہ ایک بڑا فتنہ ہے کہ بہت سے نام نہاد علماء یا وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ

جو کتاب وسنت سے ناواقف ہے، بعض مرتبہ منصوص احکامات شرعیہ کے بارے میں ایسی رائے کا اظہار کرتا ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر وہ رائے تسلیم کرلی جائے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مطاع کی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس میں اپنی رائے کو ان کی رائے پر غالب کرنا ہے، اور اس کے نتیجہ میں امت کے لیے حیرانی کے سوا کچھ نہیں، آج ایک رائے ہے، کل دوسری رائے سامنے آئے گی، اور شریعت کھلواڑ بن کر رہ جائے گی، اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا، قرآن مجید میں اس کے لیے "عنت" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس میں مشقت شدیدہ کا بھی مفہوم ہے، اور اختلال کا بھی، یعنی سخت دشواری کے نتیجہ میں آدمی چکرا کر رہ جائے گا، اس کو پھر کوئی سرا نہ مل سکے گا، امت کے ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے، خواہ کسی طبقہ سے اس کا تعلق ہو، شریعت مطہرہ سے اس کا تعلق کبھی ٹوٹنے نہ پائے، اس لیے کہ جب ایک مرتبہ آدمی تاریکی میں پڑ جاتا ہے تو پھر اس کو راستہ ملنا سخت دشوار ہو جاتا ہے: "ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نورا فما لہ من نور" (اللہ جس کو روشنی نہ دے اس کو روشنی کہاں سے ملے گی؟!)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ براہ راست فیصلے فرماتے تھے، اور اس کو ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا سننے والوں پر لازم تھا، اگر کوئی اس سے انحراف کرتا تو اس کے نفاق کی کھلی علامت سمجھی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ارشادات کو فیصلہ کن قرار دیا، اور ان پر شرح صدر کے ساتھ عمل کو ضروری فرمایا، آیت شریفہ میں بڑی تاکید کے ساتھ قسم کھا کر یہ بات فرمائی جا رہی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(بس ہرگز نہیں، ان کے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے نزاعات میں آپ سے فیصلے نہ کرائیں)

آیت کا شان نزول جو بھی ہو اس میں جو حکم دیا جا رہا ہے ہر شخص کے لیے اور

قیامت تک کے لیے ہے، آپ ﷺ کی مبارک سیرت، آپ کے ارشادات، آپ کی سنن فیصلہ کن ہیں، ان کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

اجتماعی زندگی میں اختلافات کا پیدا ہونا عام بات ہے، مزاجوں کا فرق، خیالات وافکار کا مختلف ہوجانا تعجب کی بات نہیں، لیکن اس میں جب دولت وعزت کی ہوس گھر کرلیتی ہے تو جھگڑے بڑھتے ہیں، بات گالی گلوج تک اور کبھی قتل وغارت گری تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ حدیث میں ہے:

"سباب المسلم فسوق وقتاله كفر"(۱)

(مومن کو گالی دینا گناہ کی بات ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے)

اس کے باوجود اچھے اچھے دینداروں میں یہ برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور کبھی دین کا لیبل لگا کر یہ سب کام کئے جاتے ہیں، اور اپنی بات کی پچ کی جاتی ہے، اور کچھ ایسے بھی نافرمان ہوتے ہیں جو کھلے عام شریعت کی نافرمانی کرتے ہیں، اور اپنی دولت اور عزت بڑھانے کے لیے ہر طرح کے سچ، جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں، اور دوسروں کی عزت لینا چاہتے ہیں یا دنیا کے حصوں کے لیے دوسروں کا حق مارتے ہیں، اور لڑتے جھگڑتے ہیں۔

آیت شریفہ میں ہر قسم کے لوگوں کو ہدایت دی جارہی ہے جب بھی جھگڑے پیدا ہوں تو اس کا فیصلہ آنحضور ﷺ فرمائیں گے، آپ کی سیرت فیصلہ کن ہوگی، جو قیامت تک زندہ رہے گی، آپ ﷺ کا ہر طرز عمل، ہر ارشاد اور ہر تعلیم زندہ ہے، اور قیامت تک کے لیے اللہ نے اس کے تحفظ وبقاء کا فیصلہ فرمادیا ہے، وہ سب کے لیے رہنما اور فیصلہ کن ہے، ہر مسئلہ میں وہ چھوٹا ہو یا بڑا، انفرادی ہو یا اجتماعی، اس کا تعلق گھریلو جھگڑوں سے ہو یا اجتماعی اختلافات سے جو جھگڑوں تک پہنچ جاتے ہیں، ان تمام مسائل میں فیصلہ آپ ﷺ کا ہی چلے گا، یہی ایمان کی علامت ہے اور یقیناً آپ ﷺ کی وفات کے

(۱)صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله..: ٤٨

بعد آپ کی سیرت، آپ کی سنت، آپ کے ارشادات وتعلیمات ہی فیصلہ کن ہیں، البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے مزاج وفکر کو آنحضور ﷺ کے مزاج وفکر میں اور آپ ﷺ کے طریقۂ کار میں ڈھالا جائے اور سیرت کا اس نظر سے مطالعہ کیا جائے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے، اور اس کی روشنی میں اپنے جھگڑوں کا تصفیہ کیا جائے، ورنہ ایمان کا محض دعوی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ نے بات بالکل صاف کردی کہ جب تک آپ ﷺ کے احکامات اور آپ کے فیصلوں پر پورا اطمینان نہ ہوجائے اور دل ودماغ کو اس پر مطمئن نہ کرلیا جائے اس وقت تک ایمان مشتبہ ہے، ﴿وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾ کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے جھک جانا، سر تسلیم خم کردینا اور اس پر پرسکون ہوجانا ضروری ہے۔

ایک دوسری آیت میں پوری وضاحت کردی گئی ہے کہ ایک ایمان والا مرد ہو یا عورت وہ اپنا اختیار اللہ کے رسول ﷺ کے حوالہ کرچکا، اب خود اس کو کوئی اختیار باقی نہیں رہا، جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہو اس کے مطابق بہرصورت عمل کرنا ہے، ورنہ جو نافرمانی پر آمادہ ہوجاتا ہے تو اس کو سخت گمراہ کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً﴾ (الأحزاب: ٣٦)

(اور جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کردیں تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اپنے معاملہ میں بااختیار رہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا)

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي

الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾ (النساء: ٥٩)

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں ذمہ دار ہیں پھر اگر کسی چیز میں تم جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوش تر ہے)

ایمان کا تقاضا

مسئلہ عقائد کا ہو، عبادات کا ہو یا معاملات و معاشرت کا ہو، شادی بیاہ کا ہو، خوشی کا ہو یا غمی کا، ہر مسئلہ میں رجوع کرنا ہوگا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو دیکھنا ہوگا اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہوگا، نفس کے تقاضے ایک طرف، عرف و عادت اور رسم و رواج ایک طرف، لیکن جب بھی سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے، یہ ہے ایمان کا تقاضہ بلکہ ایمان کی علامت ہے، کتنا ہی ظاہر میں نقصان نظر آتا ہو، مگر ہوگا وہی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو، جب زندگی میں یہ رنگ آجائے گا تو ایمان پختہ ہو جائے گا، پھر کوئی اس کی بولی نہیں لگا سکتا، یہی ہر مسلمان کی شان ہے، اور یہی اس کی پہچان ہے، اور یہی اللہ کا فرمان ہے، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں سے یہ مسلمانوں پر بنیادی حق ہے کہ وہ ہر جگہ ہر مسئلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔

فہم سیرت

سیرت رسول ﷺ ایک ایسی روشنی ہے جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، راستے روشن ہوجاتے ہیں، اور منزل کا ملنا آسان ہوجاتا ہے، رہتی دنیا کے لیے یہی کامیابی کا راستہ ہے، آنحضور ﷺ نے جو راستہ اختیار فرمایا اور اس کی دعوت دی، وہی راستہ سیرت کہلاتا ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی، معاملات بھی اور معاشرت بھی، اخلاق کی بلندیاں بھی ہیں اور کردار کے جوہر بھی، اس میں ہر شعبہ زندگی کے لیے نمونہ ہے، اور ہر صاحب ایمان پر یہ لازم ہے کہ وہ اس نمونہ کو اختیار کرے، اللہ تعالیٰ نے اس کا صاف اعلان فرمادیا:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب: ۲۱)

(یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ موجود ہے)

اس راستہ کا معلوم کرنا، آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو جاننا، اس کا سیکھنا یہ امت کے فرض منصبی میں داخل ہے، اور جو جتنا زیادہ سیرت کا فہم پیدا کرے گا، اس کی باریکیوں پر غور کرے گا، اور اس کی گہرائیوں میں جانے کے لیے جان کھپائے گا، وہ اتنا ہی شریعت کی حقیقت کو جاننے والا شمار ہوگا، یہ سیرت قرآن مجید کی تفسیر وتشریح ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضور ﷺ کے اخلاق وسیرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"كان خلقه القرآن"(١)

(آپ ﷺ کے اخلاق قرآن مجید کی تفسیر ہیں)

قرآن مجید کے احکامات وہدایات کی عملی تفسیر آپ ﷺ کی زندگی ہے، آپ ﷺ نے اس کے اصول وکلیات کو اپنی مبارک زندگی سے ایسا کھولا ہے کہ اب وہ شریعت کی کھلی کتاب ہے، یہ اللہ کے رسول ﷺ کے بنیادی حقوق میں سے ہے کہ سیرت کا فہم پیدا کیا جائے، اور یہی ایمان کا تقاضا ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به"(٢)

(تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو اس چیز کے تابع نہ کرلے جس کو میں لے کر آیا ہوں)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

"من رغب عن سنتي فليس مني"(٣)

(جو ہمارے طریقہ سے ہٹے وہ ہمارا نہیں)

آپ ﷺ پر ایمان کا پھر آپ کی عظمت ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کی جائے، اور پیروی جب ہی ممکن ہے جب آپ کے طریقوں کو جانا جائے، حسب المقدور اس کا فہم پیدا کیا جائے۔

سیرت کا فہم پیدا کرنا امت کی ذمہ داری ہے، عام زندگی سے متعلق معلومات حاصل کرنا ہر ایک کی ذمہ داری ہے اور زندگی کی گہرائیوں اور باریکیوں سے متعلق آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا گہری نظر سے مطالعہ علمائے امت کی ذمہ داری ہے، حاصل یہ ہے کہ فہم سیرت امت پر آنحضور ﷺ کا بہت بڑا حق ہے، جس کی ادائیگی عمومی

---

(١)مسند أحمد بن حنبل:٢٤٦٠١

(٢)جامع العلوم و الحكم، الحديث الحادى والأربعون

(٣)صحيح البخارى، كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح:٥٠٦٣

طور پر پوری امت پر لازم ہے،اور خصوصی طور پر علمائے امت پر یہ فرض کفایہ ہے۔
آپ ﷺ کی مبارک زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے،حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں کا علم حاصل کیا جائے، آپ ﷺ کی زندگی کا لمحہ لمحہ ایک امانت ہے اور یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، اس امانت کو حضرات صحابہ نے محفوظ کیا اور دنیائے انسانیت کے سامنے یہ حسین گلدستہ پیش کیا۔

جامع تصور زندگی

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ ایک نظام حیات ہے، اس میں صرف عبادات ہی کا طریقہ نہیں بتایا گیا بلکہ معاملات، معاشرت کی باریکیاں بھی اس میں روشن کی گئی ہیں، اور یہ تفصیلات اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی سے حاصل ہوتی ہیں، قرآن مجید کی مکمل تفسیر و وضاحت آپ ﷺ کی عملی زندگی ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ سے منقول ہے:

"القرآن صعب مستصعب لمن کرهه میسر لمن اتبعه ومن سمع حدیثی فحفظه وعمل به جاء یوم القیامة مع القرآن ومن تهاون بحدیثی فقد تهاون بالقرآن ومن تهاون بالقرآن خسر الدنیا والآخرة"(۱)

(قرآن سخت ودشوار ہے اس شخص کے لیے جو اس کو پسند نہ کرے اور اس شخص کے لیے آسان ہے جو اس کی اتباع کرے اور جو میری حدیث سنے گا اس کو محفوظ رکھے گا اور اس کے مطابق عمل کرے گا وہ قیامت میں قرآن مجید کے ساتھ آئے گا اور جس نے میری حدیث کی بے وقعتی کی اس نے قرآن کی بے وقعتی کی اور جس نے قرآن کی بے وقعتی کی اس نے دنیا و آخرت میں نقصان اٹھایا)

---

(۱) کنز العمال: ۲٤٦٨

خود آنحضور ﷺ نے مختلف مواقع پر وضاحت فرمائی کہ ہر کام میں میری پیروی کرو، نماز کے بارے میں ارشاد ہے:

"صلوا كما رأيتمونى أصلى"(۱)

(نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو)

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

"خذو عنى مناسككم"(۲)

(مناسک حج مجھ سے سیکھو)

بہت سے فرائض کا حکم قرآن مجید میں ہے لیکن ان کی تفصیلات آپ ﷺ کی مبارک زندگی سے معلوم ہوتی ہیں۔

واقعہ گذر چکا ہے کہ بعض حضرات صحابہ نے اپنے طور پر طے کرلیا کہ ہم رات دن عبادت کریں گے، نکاح نہیں کریں گے، زندگی بھر روزے رکھیں گے، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"ما بال أقوام يتنزهون عن الشئ أصنعه فوالله انى لأعلمهم بالله وأشدهم له خشية"(۳)

(لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ اس چیز سے ہٹتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں، قسم بخدا! میں ان میں سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں)

اس حدیث میں وضاحت ہوگئی، کامیابی صرف سیرت پر عمل کرنے میں ہے اور ظاہر ہے کہ سیرت پر عمل کرنے کے لیے سیرت کا صحیح فہم ضروری ہے۔

---

(۱) صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب رحمة الناس و البهائم: ٦٠٠٨

(۲) السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الحج، باب الايضاع فى وادى محسر: ٩٣٠٧

(۳) صحيح البخارى، كتاب الأدب، باب من لم يواجه الناس بالعتاب: ٣٤٦٩

تحریف کا دروازہ

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انحراف وتحریف کا دروازہ یہیں سے کھلتا ہے، جب سیرت کا صحیح فہم حاصل نہیں ہوتا تو بہت سی وہ چیزیں دین سمجھ کر اختیار کرلی جاتی ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

"من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد"(١)

(جو بھی ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی چیز ایجاد کرے جو اس میں شامل نہیں ہے تو وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں)

دین کی ان تفصیلات میں بڑی باریکیوں کی ضرورت ہے، شیطان کبھی ایسے منافذ تلاش کرلیتا ہے جو بعض مرتبہ بڑے دین داروں کو بلکہ علم رکھنے والوں کو نظر نہیں آتے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر انحراف کے دروازے کھل جاتے ہیں، اسلامی سماج کی تشکیل میں سب سے بڑا حصہ سیرت وسنت کا ہے، اور یہ تاریخ کی ایک حقیقت ہے کہ جہاں حدیث سے اعتناء نہ رہا وہاں بدعات وخرافات کو روکنا آسان نہیں ہوتا، اور ہوتا یہ ہے کہ دین کے نام آدمی اس راستہ پر چلنے لگتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ سے الگ ہوتا ہے، یہ اہم ترین نکتہ ہے جس پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے کہ سیرت وسنت کی باریکیاں اور گہرائیاں دین کے حقائق کو کھولتی ہیں اور صحیح فکر پیدا کرتی ہیں، اور آدمی پھر ہر طرح کی لغزشوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

مکمل اور متوازن زندگی کا نمونہ

حدیث وسنت سے اشتغال کرنے والوں کو بھی بعض مرتبہ توجہ نہیں ہوتی، حدیث کی ضخیم کتابوں اور صحاح کے مجموعوں میں عبادات اور ان سے متعلق حدیثوں پر سارا زور صرف کردیا جاتا ہے، اور دین کا بڑا حصہ جس کا تعلق معاملات، معاشرت اور اخلاق سے ہے، ان پر وہ توجہ نہیں ہوتی جس کی ضرورت ہے، گھر والوں کے ساتھ

(١) صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور......:٢٦٩٧

آپ ﷺ کا برتاؤ کیسا تھا، ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کس طرح زندگی گذارتے تھے، اپنوں کے ساتھ کیا سلوک تھا اور غیروں کے ساتھ بھی کس قدر مدارات فرماتے تھے، ہر ایک کے حق کی ادائیگی میں کتنا توازن تھا، یہ ایسی باریکیاں ہیں کہ جب تک ان کا فہم پیدا نہ ہو آدمی دین کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہم سے ہنسی خوشی کی باتیں کرتے تھے، اذان ہوتی تو ایسے اٹھ کھڑے ہوتے کہ گویا ہم کو پہچانتے ہی نہیں (۱) ایک مرتبہ کچھ حبشی کھیل دکھانے آئے، حضرت عائشہ نے بھی دیکھنے کی فرمائش کی تو آپ ﷺ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہ آپ کی پشت سے پردہ کے ساتھ کھیل دیکھتی رہیں، (۲) آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وقت ضائع ہوگا بس اب ختم کرو، یہاں تک کہ خود انہوں نے فرمایا کہ بس اب کافی ہے، صاحبزادی کے ساتھ آپ کو کیسی محبت تھی، کہیں تشریف لے جاتے تو اخیر میں حضرت فاطمہ سے مل کر جاتے اور واپس تشریف لاتے تو پہلے حضرت فاطمہ سے ملتے (۳) نواسوں سے ایسی محبت تھی کہ کبھی نماز میں کوئی بچہ سجدہ کی حالت میں پیٹھ پر چڑھ جاتا تو آپ کو ناگوار نہ ہوتا بلکہ اس کی خاطر کبھی آپ سجدہ طویل فرما دیتے (۴) حاصل یہ کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی بھرپور انسانی زندگی کے لیے بہترین نمونہ تھی، دوسری طرف یہ بھی ہوا کہ ایک مرتبہ آپ گھر میں تشریف لائے دروازہ پر پردہ پڑا ہوا تھا جس میں کچھ تصاویر تھیں، آپ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور اس کو پھاڑ دیا (۵) اسی طرح ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرات حسنین کو کنگن پہنائے تو آپ نے ناگواری ظاہر فرمائی (۶) سخت

---

(۱)حدیث شعبة: ۸۱، محمد بن مظفر البغدادی، ط:الدار العثمانیة، نقلا عن المکتبة الشاملة

(۲)صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل: ٥١٩٠

(۳)سنن أبی داؤد، کتاب الترجل، باب ما جاء فی الانتفاخ بالعاج: ٤٢١٥

(٤)مسند أحمد بن حنبل: ١٠٩٤٢

(٥)سنن أبی داؤد، کتاب الترجل، باب ما جاء فی الانتفاخ بالعاج: ٤٢١٥

(٦)سنن أبی داؤد، کتاب الترجل، باب ما جاء فی الانتفاخ بالعاج: ٤٢١٥

مشقت میں انہوں نے چاہا کہ کوئی باندی یا غلام مل جائے تو آپ ﷺ نے اس کی جگہ ان کو آخرت کی طرف متوجہ رہنے کی تلقین فرمائی، اور وہ تسبیحات بتائیں جو آج بھی "تسبیح فاطمی" کے نام سے موسوم ہے۔(۱)

صحابہ سے آپ ﷺ محبت کا اظہار فرماتے، مصافحہ ہوتا تو صحابہ فرماتے کہ آپ پورا ہاتھ نہ ہٹاتے یہاں تک کہ مصافحہ کرنے والا خود ہی ہاتھ ہٹا لیتا (۲) اس کے علاوہ حالات کی خبر رکھتے، ضروریات کا تکفل فرماتے، انکار منکر میں بھی نرمی اختیار فرماتے، اپنے لیے آپ ﷺ نے کبھی انتقام نہیں لیا، البتہ دین کا مسئلہ ہوتا تو آپ سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے، لیکن اکثر عمومی بات فرماتے تھے کہ سمجھنے والے سمجھ لیں، ارشاد ہوتا:

"ما بال أقوام يفعلون كذا"

(لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ایسا ایسا کرتے ہیں)

ایک بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو بھی آپ نے نہ مارا، نہ جھڑکا، بلکہ جو لوگ روکنے کے لیے بڑھے ان کو بھی منع فرمایا، جب وہ پیشاب سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے بلا کر اچھے انداز سے سمجھا دیا۔(۳)

دشمنوں کے ساتھ آپ ﷺ کا سلوک کیا تھا، مکہ مکرمہ کی زندگی میں آپ ﷺ نے کیا طرز عمل اختیار فرمایا، اور کس قدر صبر وضبط کا مظاہرہ فرمایا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر

گالیاں جس نے دیں اس کو تحفے دیئے
زخم جس کے لگے زخم اس کے سیے
عافیت کی دعا مانگی سب کے لیے
کی جفا جس نے بدلے وفا سے دیئے

---

(۱) صحيح البخاری، کتاب فرض الخمس، باب الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله......:۳۱۱۳ (۲) السنن الكبرى للبيهقی، کتاب الشهادات، باب بيان مكارم الأخلاق و معاليها: ۲۱۳۱۰

(۳) صحيح البخاری، کتاب الأدب، باب الرفق في الأمر كله: ۶۰۲۵

طائف کے بازاروں میں آپ ﷺ کو لہولہان کر دیا گیا مگر آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرما رہے ہیں، اور جب اللہ کے حکم سے فرشتہ آکر کہتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو دونوں طرف کے پہاڑ ملا دیئے جائیں، اور یہ سب پس کر رہ جائیں تو آپ ﷺ فرماتے ہیں: یہ نہیں تو ان کے آنے والی نسلیں ایک اللہ کو ماننے والی ہوں گی۔(۱)

مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد بھی آپ کی رحمت وعنایت دشمنوں پر اسی طرح قائم رہی، وہ تو آپ ﷺ کو ستانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے، لیکن آپ ﷺ ہمیشہ درگذر فرماتے، غزوۂ احد میں آپ کو لہولہان کر دیا گیا، دندان مبارک شہید ہوگئے، لیکن آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:

"اللهم اغفر لقومي فانهم لا يعلمون"(۲)

اور اس کی انتہا فتح مکہ کے موقع پر ہوئی، بڑے بڑے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا گیا، نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو آپ ﷺ کی شان رحمت پر گواہ ہیں، اور خود قرآن مجید کی گواہی ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم: ٤)

(اور یقیناً آپ اخلاق کے بلندترین مقام پر فائز ہیں)

دوسری طرف یہ تلقین بھی کہ

"لا يلدغ المؤمن من جحر مرتين"(۳)

(مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاسکتا)

معاف کر دینا اور بات ہے، یہ ایمانی ونبوی اخلاق کا پرتو ہے، لیکن دماغ حاضر رکھنے کا حکم ہے، آدمی لقمہ تر نہ بن جائے کہ جو چاہے اس کو نوالہ سمجھ لے، پوری بصیرت کے ساتھ ایک ایمان والا زندگی گذارتا ہے، وہ ہر ایک کو فائدہ پہنچاتا ہے، مگر ایسا نہیں کہ

---

(۱)زاد المعاد، فصل في ذكرى الهجرتين الأولى والثانية: ۱/۹۸

(۲)صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة أحد: ٤٧٤٧

(۳)سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في الحذر من الناس: ٤٨٦٤

جو چاہے اس کو نقصان پہنچا دے، یہ توازن ہے جو سیرت کے فہم سے حاصل ہوتا ہے۔

فہم سیرت کے مراجع

سیرت نبوی علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلام کو جاننے کے لیے تنہا سیرت کی کتابیں بڑا مرجع ہیں، مگر یہ کافی نہیں، بنیادی طور پر سیرت کو جاننے کے لیے قرآن مجید سے استفادہ ضروری ہے، حضرت عائشہ کے فرمان کے مطابق ”کان خلقہ القرآن“ (آپ کے اخلاق سراپا قرآن ہیں)

قرآن مجید میں آپ کی صفات کا بیان جا بجا ہوا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً☆وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً﴾ (الأحزاب: ٤٥-٤٦)

(اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشنی بکھیرنے والا چراغ (بنایا ہے)

سورۂ توبہ کے اخیر میں ہے:

﴿لَقَدْ جَاءكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ☆فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّهُ لا إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (التوبة: ١٢٨-١٢٩)

(یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آ چکے، تمہاری تکلیف جن کو بہت شاق گزرتی ہے تمہاری (بھلائی) کے بہت خواہش مند ہیں ایمان والوں کے لیے تو بڑے شفیق بہت مہربان ہیں، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دیجیے کہ مجھے تو اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے)

﴿وَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِيۡنَ﴾ (الأنبياء: ١٠٧)

(اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

﴿وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيۡم﴾ (القلم: ٤)

(اور یقیناً آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں)

﴿فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنتَ فَظّاً غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانفَضُّواۡ مِنۡ حَوۡلِكَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِيۡ الۡأَمۡرِ فَإِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡن﴾ (آل عمران: ١٥٩)

(بس اللہ ہی کی رحمت تھی کہ آپ نے ان کے ساتھ نرمی فرمائی اور اگر آپ تند خو سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے کب کے منتشر ہو گئے ہوتے بس آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیے پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

﴿كَمَا أَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُولاً مِّنكُمۡ يَتۡلُو عَلَيۡكُمۡ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتَابَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمۡ تَكُونُواۡ تَعۡلَمُون﴾ (البقرة:١٥١)

(جیسے کہ ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم جانتے نہ تھے)

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ آنحضور ﷺ کے خلق عظیم کا بیان ہے اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو واضح کیا گیا ہے، اس لیے فہم سیرت کے لیے سب سے

پہلے قرآن مجید کا مطالعہ ضروری ہے، پھر احادیث مبارکہ میں آپ کی سیرت کا بیان ملتا ہے، اور ایسی باریکیاں ملتی ہیں جو عام سیرت کی کتابوں میں بھی نہیں ملتیں، اس لیے احادیث کا مطالعہ اس مقصد سے کرنا چاہیے، اس سے حقائق و معانی کا سمندر ہاتھ آتا ہے، اس کی مثالیں بے شمار ہیں، اپنوں اور پرایوں کے ساتھ سلوک کی تفصیلات حدیث سے ہی ملتی ہیں، دعوت کا منہج نبوی بھی احادیث سے معلوم ہوتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلامی سماج کی تشکیل میں حدیث کا سب سے اہم کردار ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین و مجددین اس امت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تول سکتے ہیں، اور امت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات وانحرافات سے واقف ہو سکتے ہیں، اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال وتوازن اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل ومتوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اور وہ حکیمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمات نہ ہوتیں، اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرہ سے کرائی تو یہ امت افراط وتفریط کا شکار ہوکر رہ جاتی، اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا، اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب:۲۱)

(یقیناً تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے)

اور یہ فرما کر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کردے گا)

یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے، اور جس سے وہ زندگی اور قوت واعتماد حاصل کرسکتا ہے، اور یہ اطمینان کرسکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان بلکہ ایک امر واقعہ ہے"۔(۱)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

"حدیث وسنت کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد وتسلسل اس وقت تک باقی رہا، اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی، جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد واحکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا، اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہوگیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تقوی وخشیت، وہی استقامت وعزیمت، وہی تواضع واحتساب نفس، وہی شوق آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور

(۱) اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار: ۲۹-۳۰، از: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

جذبہ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ وشغف کا نتیجہ ہے، یا ان لوگوں کی صحبت وتربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اوراس میراث نبوی ﷺ سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی ومزاجی توارث قرن اول سے اس چودہویں صدی ہجری کے عہد انحطاط وما دیت تک برابر قائم ہے۔

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا، اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت، اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی، اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علم بردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لیے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں، اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک و ارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں، اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کررہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے ''محروم الارث'' منقطع الاصل اور آوارہ کردینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کردیا، اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کررہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اوراس دین کا دشمن کوئی نہیں

ہوسکتا، اس لیے کہ پھر اس ''مزاج و مذاق'' کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی ﷺ سے پیدا ہوسکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی ﷺ کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی ﷺ کی کیفیات بسی ہوئی ہیں''۔(۱)

سیرت کا گہرا اور وسیع مطالعہ

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت انتشار و بگاڑ کے اس دور میں اس کی بڑی ضرورت ہے کہ سیرت کا مطالعہ گہری نظر سے کیا جائے، اور زندگی کے ہر میدان میں انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی، تعلیم و تربیت کے مسائل ہوں یا دعوت و تبلیغ اور تزکیہ نفوس کے، ہر مسئلہ کا صحیح حل سیرت میں ہے، لیکن ضرورت ہے کہ سیرت کا مطالعہ کھلے دل سے کیا جائے اور اپنے رجحانات اس پر تھوپے نہ جائیں، بلکہ اپنے طرز زندگی کو، طرز دعوت و فکر کو سیرت کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے، اور یہ ذمہ داری سب سے بڑھ کر علماء کی ہے، نبوت کی وراثت اللہ نے ان کو بخشی ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس وراثت کو پوری طرح سنبھالیں، اور اس امانت کی قدر بھی کریں، اور اس کا مکمل اور صحیح فہم پیدا کرنے کی کوشش کریں اور یہی اس وقت دنیا کی مشکلات کا واحد حل ہے، اور یہی آخرت کی کامیابی کا تنہا راستہ ہے، جہاں کہیں بھی اس وقت الحاد، تحریف اور انحراف نظر آرہا ہے، وہ صرف اس لیے ہے کہ سیرت کو نظر انداز کیا گیا ہے، قرآن مجید کو صاحب قرآن کی زندگی سے الگ کرکے دیکھا گیا ہے، جبکہ فہم قرآن کا اولین تقاضا اور اس کا اصول یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ارشادات اور آپ کی زندگی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

قرآن مجید میں اطاعت رسول ﷺ کا جو حکم دیا گیا ہے اور اس کو نجات کے لیے

(۱) اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار: ۳۹-۴۱

ضروری قرار دیا گیا ہے اس کی تفصیلات ''اطاعت'' کے باب میں گذر چکی ہیں۔

اس دین کی اصل خصوصیت توازن و اعتدال اور کمال ہے، اور یہ توازن ہمیں سیرت نبوی ﷺ سے ملتا ہے، وہیں سے دین کا صحیح مزاج و منہاج بنتا ہے، اس سے ہٹ کر جو مفکرین اور دعاۃ چلے ہیں وہ انحراف کا شکار ہوئے ہیں، جہاں سنت و سیرت اور احادیث سے زیادہ اعتناء ہوا وہ علاقے خرافات سے محفوظ رہے اور جہاں حدیث کی کمی ہوئی، وہاں بدعات و خرافات اور انحراف کے راستے کھل گئے، اس لیے سیرت کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں، حدیث کی روشنی میں اور سیرت طیبہ کی مستند کتابوں کے ذریعہ سے ضروری ہے، اور حقیقت میں یہ اللہ کے رسول ﷺ کے بنیادی حقوق میں شامل ہے کہ آپ کی مبارک زندگی کا صحیح فہم حاصل کیا جائے، اور اس کو صحیح طریقہ پر سمجھنے اور ذہن و دماغ کے سانچے کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔



نصرت

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا بڑا حق ہر ہر ایمان والے امتی پر یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب نبی ﷺ کی نصرت کے لیے، آپ کے دین کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار رہے، جس دین کے لیے آپ ﷺ نے اپنا سب کچھ قربان کیا، مکہ مکرمہ کی زندگی میں آپ کو اور آپ کے صحابہ کو پریشان کرنے میں مشرکین نے کوئی کسر نہ چھوڑی، نہ جانے کتنوں کو شہید کیا، آپ ﷺ کو شہید کرنے کی پوری کوشش کی، آپ ﷺ نے سب کچھ سہا، صرف اس لیے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی پہچان حاصل ہو، ان کو زندگی کا صحیح راستہ معلوم ہو، آخرت کی کامیابی کا طریقہ ان کو بتایا جائے۔

آپ ﷺ امت کو یہ امانت سپرد فرما کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اور حجۃ الوداع کے موقع پر ساری دنیا کے لیے ایسا منشور جاری فرمادیا جو انسانیت کی کامیابی کی ضمانت ہے، اس خطبہ میں آپ ﷺ نے امت کو یہ ذمہ داری دی اور فرمایا:

"ألا فليبلغ الشاهد الغائب"(۱)

(خبردار! جو لوگ موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان لوگوں تک بات پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کا یہ حق قرآن مجید میں بیان فرمایا، ارشاد ہے:

(۱) صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب حجة الوداع: ٤٤٠٦

﴿فَالَّذِينَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِيَ أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الأعراف: ١٥٧)

(بس جو اس کو مانیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی مدد کریں گے وراس نور کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اترا تو وہی مراد کو پہنچیں گے)

ایمان کے بعد جو آپ ﷺ کا پہلا حق ہے، دوسرا حق یہی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی نصرت کی جائے، آپ کا ساتھ دیا جائے، اور آپ کی نصرت یہی ہے کہ آپ کی سیرت و اخلاق کے ایک ایک گوشے کی حفاظت کی جائے، آپ کی لائی ہوئی شریعت کے تحفظ و بقا اور اس کی اشاعت کی فکر کی جائے، اور اس کے لیے قربانی دینے کو تیار رہا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اگر تم مدد نہیں کرتے تو اللہ ان کی مدد کرتا ہے:

﴿إِلاَّ تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّهُ﴾ (التوبة: ٤٠)

(اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو ان کی مدد تو اللہ نے کی)

یہ اللہ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جس کو آپ ﷺ کے دین کی فکر نہ ہو، وہ اس کے ایک ایک جزو کی حفاظت کی کوشش نہ کرے، وہ اپنی دنیا میں مست رہے، اور حضور ﷺ کی دی ہوئی امانت کا اس کو خیال نہ ہو۔

حضرات صحابہ کی مثال

حضرات صحابہ نے اپنی اپنی زندگیاں حضور ﷺ کے لیے اور آپ کے دین کے لیے قربان کر دیں، آپ ﷺ کے ایک ایک حکم کو، ایک ایک حدیث کو انہوں نے پہنچانے کا اہتمام کیا، ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

"من كتم علما مما ينفع الله به في أمر الناس في الدين

ألجمه اللّٰه يوم القيامة بلجام من النار"(۱)

(جو بھی علم کا کوئی حصہ چھپائے گا جس سے دینی فائدہ پہنچتا ہو، اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی)

ایک صحابی نے وفات کے وقت ایک حدیث بیان کی اور فرمایا کہ میں نے جو بھی سنا ہے وہ تمہارے سامنے بیان کر دیا، ایک حدیث رہ گئی تھی مجھے کتمان علم کا ڈر ہے، اس لیے وہ حدیث بھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں، پھر وہ حدیث انہوں نے سنا دی۔

یہ صحابہ کی انتہائی فکر تھی کہ آپ ﷺ کی ایک ایک بات محفوظ کرنے کا انہوں نے اہتمام کیا، یہاں تک کہ اگر کوئی روایت انہوں نے خود نہیں سنی تو اس کو براہ راست سننے اور جاننے کے لیے انہوں نے طویل طویل سفر کیے، محقق کبیر مولانا عبد الرشید نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ مجھے ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، میں نے فوراً اونٹ خریدا، اس پر کجاوہ کسا اور ان صاحب کی طرف ایک ماہ کا سفر طے کر کے سیدھا ملک شام پہنچا، یہ صاحب عبد اللہ بن انیس تھے، میں نے ان کے دربان سے کہا: جا کر کہو جابر دروازہ پر کھڑا ہے، انہوں نے سنتے کے ساتھ ہی پوچھا کیا ابن عبد اللہ؟ میں نے کہا: جی ہاں، وہ فوراً باہر آئے، گلے ملے، میں نے کہا: مجھے ایک حدیث کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آپ نے اسے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، میں ڈرا کہ کہیں مجھے موت آ جائے اور اس حدیث مبارک کے سننے سے محروم رہ جاؤں، یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان کر دی، یہ حدیث آخرت میں قصاص سے متعلق ہے اور امام بخاری نے اس کا ایک ٹکڑا

---

(۱)سنن ابن ماجة، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه: ۲۷۷

"صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب لا تنفع الشفاعة الا لمن أذن له" میں بھی ذکر کیا ہے۔(۱)

امام دارمی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے کہ ایک صحابی سفر کر کے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس مصر پہنچے، یہ اس وقت اپنی اونٹنی کو چارہ کھلا رہے تھے، ان کو دیکھتے ہی بولے مرحبا، صحابی مذکور نے فضالہ سے کہا: لم آتك زائرا، میں آپ کی ملاقات کے لیے نہیں آیا، بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ میں نے اور آپ نے ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے علم میں ہوگی، فضالہ نے پوچھا: ما هو؟ وہ کون سی حدیث ہے؟ صحابی مذکور نے کہا: کذا کذا، جس میں یہ یہ ہے۔(۲)

اسی طرح کا ایک واقعہ محدث حاکم نے "معرفة علوم الحديث" (ص: ۷-۸۔ ط: مصر) میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے کہ وہ بھی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کی خاطر سفر کر کے مصر تشریف لے گئے تھے، چنانچہ جب وہ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے جو اس وقت مصر کے گورنر تھے، تو ان کو اطلاع دی، مسلمہ جلدی سے باہر آئے، معانقہ کیا، پوچھا: کیسے تشریف آوری ہوئی، فرمایا: ایک حدیث میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی تھی، اب سوائے میرے اور عقبہ کے اور کوئی حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کا سننے والا باقی نہیں، اس لیے کسی کو بھیج دو، جو مجھے ان کے مکان کا پتہ بتادے، مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فوراً آدمی ساتھ کر دیا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو

---

(۱) فتح الباری: ۱/ ۱۵۸-۱۵۹ (۲) سنن دارمی، ص: ۷۵، طبع نظامی کانپور، حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۱/ ۱۵۹ میں اس کو بحوالہ ابوداؤد نقل کیا ہے۔

جلدی سے نکل کر معانقہ کیا، اور پوچھنے لگے اے ابوایوب! کیسے آنا ہوا، جواب دیا: مسلمان کی پردہ پوشی کے بارے میں ایک حدیث میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی تھی، اب میرے اور تمہارے سوا اور کوئی آپ ﷺ سے اس کا سننے والا باقی نہیں ہے، عقبہ رضی اللہ عنہ بولے ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

"من ستر علی مؤمن فی الدنیا علی خزیة سترہ اللّٰہ یوم القیامة"

(جو دنیا میں کسی رسوائی پر مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا: تم نے سچ کہا، یہ کہہ کر سواری کا رخ کیا اور سوار ہو کر مدینہ طیبہ کو واپس ہو گئے، واپسی میں اتنی جلدی کہ حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جو نذرانہ ان کو بھیجا تھا وہ بھی عریش مصر میں ان کو ملا۔" (۱)

یہ حضرات صحابہ کی انتہائی نصرت کا نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی محفوظ ہوگئی، آپ کی نشست و برخاست، گفتگو کا انداز، انفرادی و اجتماعی زندگی کی باریکیاں، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا مزاج، گھر اور باہر کی زندگی کا ایک ایک پہلو محفوظ کیا گیا، اور یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، کسی بھی نبی کے ماننے والے اپنے نبی کی تعلیمات بھی محفوظ نہ رکھ سکے، خود ایک عیسائی مفکر لکھتا ہے کہ

"حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اگر محفوظ کی جائیں تو وہ اخبار کے ڈیڑھ کالم سے زیادہ نہیں بڑھ سکتیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس آخری دین کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمایا، اور اس کی نصرت کے لیے صحابہ جیسی مقدس جماعت تیار فرمائی، جنہوں نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کی زندگی کو ایسا جذب کر لیا کہ وہ سچے ترجمان بن گئے، آپ کی ظاہری راحت و

---

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۱۴-۱۵

آرام کا خیال ایسا کہ آپ ﷺ کے لیے جان دینے والے اور آپ ﷺ کی قلبی راحت کا سامان انھوں نے ایسا کیا کہ دنیا میں دین پھیلایا، انھوں نے جس طرح نصرت کا حق ادا کیا وہ قیامت تک کے لیے ایک نمونہ ہے۔

غزوۂ احد میں جانثاری کا موقع تھا، اور صحابہ نے اس کا حق ادا کیا، آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے کتنے صحابہ نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا، مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد بھی جب کہ خطرات تھے، راتوں کو پہرہ دینے والے اور آپ کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار، اسی طرح اپنا سب مال وزر نچھاور کرنے والے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے چندہ کی اپیل فرمائی، حضرت عمر گھر میں جو کچھ تھا اس کا آدھا لے کر حاضر خدمت ہوئے، یہ سوچ کر کہ شاید آج حضرت صدیق اکبر سے آگے بڑھ جائیں، مگر جب وہ اپنی پونجی لے کر حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے پوچھا گھر میں کیا چھوڑا؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول کے سوا کیا ہے(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دہانے کھول دیئے، ان کو "مجهز جيش العسرة"(۲) (سخت تنگی کے لشکر کو تیار کرنے والے) کا خطاب ملا۔

ایک موقع پر ایک خستہ حال وفد حاضر خدمت ہوا، مضر کے لوگ تھے، آنحضور ﷺ دیکھ کر بے چین ہو گئے، حضرت بلال کو اذان کا حکم ہوا، نماز کے بعد عام مسلمانوں سے چندہ کی اپیل فرمائی، تھوڑی ہی دیر میں دو ڈھیر لگ گئے، ایک کھانے کا اور ایک کپڑوں کا، آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی میں دمکنے لگا۔(۳)

حضرات انصار نے تو مہاجرین کی وہ نصرت کی جو تاریخ کی ایک ایسی مثال ہے جواب شاید سامنے نہ آسکے گی، مہاجرین کون تھے؟ اللہ کے رسول ﷺ کی بات ماننے والے، آپ کی اور آپ کے دین کی اولین نصرت کرنے والے، حضرات انصار نے ان کی مدد کر کے انصار کا لقب پایا، جو ہر قبیلہ اور خاندان کی نسبت پر غالب آیا۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب أبی بکر و عمر: ٤٠٣٨

(۲) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب عثمان بن عفان

(۳) مسلم، کتاب الزکاة، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة......: ٢٣٩٨

آپ کی اور آپ کے دین کی نصرت کا یہ حق ہمیشہ علماء امت نے سمجھا ہے، اور ہر دور میں اس کی ادائیگی کی کوششیں کی جاتی رہیں، جب جب آپ ﷺ پر اور آپ کے دین پر حرف آیا، ایسے لوگ کھڑے ہوئے جنہوں نے اپنی اپنی صلاحیتیں آپ کی نصرت کے لیے کھپادیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں سرخرو ٹھہرے، حضرت صدیق اکبر اور صحابہ سے لے کر تابعین اور بعد کے لوگوں تک اس کا تسلسل ہے اور تا قیامت رہے گا۔

مجددین دین

صحابہ کے بعد تدوین حدیث وسنت کے لیے حضرت عمر بن عبد العزیز نے علمائے امت کو توجہ دلائی، اور اپنی تشویش کا اظہار کیا، اس کے نتیجہ میں حدیث کا خزانہ محفوظ ہوا، پھر ان حدیثوں سے مسائل کے دقیق استنباط واستخراج کے لیے ایسے ایسے اذکیاء عالم سامنے آئے جن کی عقل وفہم کے آگے عقلاء عالم جھک گئے، ائمہ اربعہ اور ان کے شاگردوں کی صورت میں فقہاء کی ایک جماعت نے امت کے لیے راستہ آسان کردیا، اور آپ ﷺ کی زندگی، ان کے ارشادات کو سامنے رکھ کر ایسی ایسی باریکیاں امت کے سامنے رکھ دیں کہ ادھر ذہن کی رسائی بھی مشکل ہوتی ہے۔

اعتزال کا فتنہ کھڑا ہوا اور اچھے اچھے عقلاء اس میں بہنے لگے، تو اللہ نے امام ابو الحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی کو کھڑا کیا، فلسفہ نے جب ذہنوں کو مسحور کیا تو امام غزالی نے ''تہافت الفلاسفہ'' اور ایسی متعدد کتابیں لکھ کر دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کردیا، پھر احادیث کے ذخیرہ کو کھنگال کر صحیح ومقبول احادیث کو منتخب کرنے کا کام اللہ نے تیسری چوتھی صدی ہجری کے ان محدثین سے لیا، جن کا احسان امت کی گردن پر رہتی دنیا تک رہے گا، جرح وتعدیل، فن رجال، علم مصطلح حدیث اور نہ جانے کتنے علوم وفنون اس کے نتیجہ میں مدون ہوئے کہ ڈاکٹر اسپرنگر کو کہنا پڑا کہ

''کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے

مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے"۔(۱)

پھر اللہ اپنے ایسے بندوں کو ہمیشہ پیدا فرماتا رہا، جنہوں نے تزکیہ قلوب کا وہ کام انجام دیا جو اللہ کے نبی ﷺ کے مقاصد بعثت میں شامل تھا، اس کے نتیجہ میں تزکیہ و احسان کے وہ ائمہ پیدا ہوئے جن کی روحانیت نے دنیا کو روحانی غذا فراہم کی، حاصل یہ ہے کہ یہ سلسلہ چلا، چل رہا ہے، قیامت تک چلے گا، اللہ تعالیٰ ایسے افراد پیدا کرتا رہے گا جو اس دین کی نصرت کے ذریعہ دین کو تازہ رکھیں گے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

"بلغوا عني ولو آية"(۲)

(ایک آیت ہی کیوں نہ ہو ہم سے باتیں دوسروں کو پہنچاؤ)

یہ حکم صحابہ اور صحابہ کے واسطہ سے پوری امت کے لیے ہے، امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر وقت آپ کی نصرت کے لیے کمربستہ رہے، اور مقدور بھر اس کوشش میں مصروف رہے کہ آپ ﷺ کی لگائی ہوئی کھیتی مرجھانے نہ پائے۔

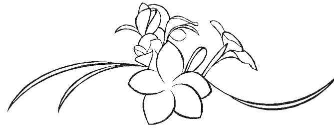
نصرت کی شکلیں

آپ ﷺ اور آپ کے دین کی نصرت میں سب سے پہلا مرحلہ اس امانت کی حفاظت کا ہے اور حفاظت کے لیے عام طور پر ہر ایک کے لیے سب سے پہلی ذمہ داری عمل کی ہے اور عمل کے لیے فہم سیرت کی ضرورت ہے، جس کا تذکرہ گذشتہ مضمون میں ہو چکا، نصرت کی سب سے پہلی اور بنیادی صورت یہی ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی زندگی میں سب سے پہلے اور اپنے گھر میں اور اہل تعلق میں عملی طور پر پختگی پیدا کرنے کی کوشش کرے، اس سے آپ ﷺ کے دین کی حفاظت ہے، دوسرا مرحلہ یہ

(۱) خطبات مدراس: ۵۱

(۲) صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل: ٣٤٦١

ہے کہ اس میں جو رکاوٹیں سامنے آئیں، ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے لیے قربانی دینے کے لیے تیار رہا جائے، اور یقیناً جو لوگ بھی علم دین حاصل کر کے اس میں گہرائی پیدا کرتے ہیں، اور دین کی اشاعت میں لگے ہیں، ان کی مدد کرنا اور مختلف مرحلوں میں ان کا ساتھ دینا، حقیقت میں آپ ﷺ کی نصرت ہے، اسی طرح ایسے اداروں کی مدد کرنا بھی بالواسطہ نبی پاک ﷺ کی ہی نصرت ہے، جو ادارے دین کی نصرت کے لیے، اشاعت دین اور تحفظ دین کے لیے قائم ہیں، اور ان میں مخلصانہ طریقہ پر نصرت دین کا کام ہو رہا ہے۔



صلاۃ وسلام

اللہ کے رسول ﷺ کے حقوق میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں صلاۃ وسلام کے نذرانے پیش کیے جاتے رہیں، یہ آپ ﷺ کے لیے ایک اعلی درجہ کی دعا ہے جو ایک امتی کے لیے باعث برکت وترقی ہے، آپ ﷺ کے احسانات امت پر بے حد وحساب ہیں، اسی طرح امت پر آپ ﷺ کے حقوق بھی بے شمار ہیں، ان میں یہ ایک بنیادی حق ہے کہ آپ ﷺ پر درود شریف پڑھا جائے، زندگی میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ (الأحزاب: ٥٦)

(بیشک اللہ اور اس کے فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام پڑھا کرو)

خود اللہ تعالیٰ آپ پر مسلسل رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اور فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں، امت کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ پر درود بھیجتی رہے۔

جب جب آپ ﷺ کا نام نامی آئے تو درود شریف پڑھا جائے اور اس کو اپنے لیے عین سعادت سمجھا جائے، بعض علماء نے اس کو واجب لکھا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے اور ہر مرتبہ نام نامی آنے

پر درود شریف پڑھنا بہتر ہے، اور برکت وخوش بختی کی بات ہے۔

احادیث میں درود شریف کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، بہتر یہی ہے کہ ان ہی الفاظ مبارکہ کا استعمال کیا جائے کہ وہ قبولیت سے زیادہ قریب ہیں، ان میں افضل ترین درود وہ ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ پر نماز میں سلام پڑھتے ہیں، درود شریف کا طریقہ بھی آپ ہی بتا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"قولوا: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد.(۱)

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں درود وسلام کے مختلف صیغے ملتے ہیں، متعدد کتابوں میں ان کو جمع کیا گیا ہے، ان کے علاوہ علماء ومشائخ سے بھی منامات و مبشرات کے ذریعہ مختلف الفاظ منقول ہیں، لیکن احادیث میں جن الفاظ کا ذکر ہے، ان کا استعمال سب سے بہتر ہے کہ وہ زبان نبوت سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں جن سے بہتر الفاظ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

درود شریف کے فضائل اور فوائد

مختلف احادیث میں درود وسلام کے فضائل منقول ہیں، ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:

"من صلى علي واحدة صلى الله عليه عشرا"(۲)

(جو ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتے ہیں)

---

(۱) ملاحظہ ہو: ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء في صفة الصلاة على النبي: ٤٨٥

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الوتر، باب في الاستغفار: ١٥٣٢

اس سے دلوں کا زنگ دور ہوتا ہے، اللہ سے قرب کا یہ بہترین راستہ ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے، آپ کے چہرہ سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے چہرے پر مجھے خوشی نظر آ رہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''ابھی جبرئیل آئے تھے، انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ! جو آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھیں گے، اس کے دس گناہ معاف ہوں گے، اور اس کے دس درجے بڑھیں گے''۔(۱)

اسی طرح ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا، صحابہ نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ آیا تھا، اس نے کہا کہ اے محمد! کیا آپ اس سے خوش نہیں کہ آپ کے رب نے یہ فرمایا:

''آپ کی امت میں جو بھی آپ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور جو بھی آپ پر ایک مرتبہ سلام پڑھے، میں اس کو دس مرتبہ سلامتی دوں گا، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں''۔(۲)

امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان أولى الناس بي يوم القيامة أكثرهم علي صلاة"(۳)

(قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا)

حضرت انس کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایک دن میں ایک ہزار مرتبہ درود پڑھے گا، اس کو اس وقت تک

---

(۱) مسند أحمد: ۴/۲۹، رقم الحدیث: ۱۶۷۹۵ (۲) مسند احمد: ۴/۲۹، رقم الحدیث: ۱۶۸۰۴

(۳) سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي: ٤٨٦

موت نہیں آئے گی جب تک وہ جنت میں اپنا ٹھکانا نہ دیکھ لے گا"۔(۱)

ابو یعلی اپنی مسند میں نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو دو بندے آپس میں محبت رکھتے ہوں، وہ ایک دوسرے سے ملیں اور دونوں نبی ﷺ پر درود شریف پڑھیں، تو وہ اس وقت تک جدا نہیں ہوں گے، جب تک ان کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف نہ ہوجائیں"۔(۲)

ایک حدیث میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مجھ پر درود پڑھو، اس لیے کہ مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لیے گناہوں سے کفارہ ہے"۔(۳)

ترمذی شریف میں منقول ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"دعا آسمان وزمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے، کوئی دعا اوپر نہیں پہنچتی جب تک کہ تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو"۔(۴)

سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اپنے گھروں میں نماز (نفل) پڑھا کرو، اور ان کو قبرستان نہ بناؤ، اور میرے گھر کو جشن گاہ مت بنانا، مجھ پر صلاۃ وسلام پڑھو، تم کہیں بھی ہو، تمہارا صلاۃ وسلام مجھ کو پہنچتا ہے"۔(۵)

حدیث صحیح میں آتا ہے کہ

"البخيل الذى متى ذكرت عنده فلم يصل علي"(٦)

---

(١)الترغيب و الترهيب: ٢/١ ٠ ٥، فى كتاب الذكر و الدعاء الترغيب فى الاكثار من ذكر الله سرا و جهرا: ٢٥٧٩ (٢)مسند ابو يعلى: ٢٩٦٠

(٣)جلاء الأفهام: ٣٢ (٤)سنن الترمذى، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى فضل الصلاة على النبي: ٤٨٨ (٥)أبو داؤد، كتاب المناسك، باب زيارة القبور: ٢٠٤٤

(٦)سنن الترمذى، كتاب الدعوات، باب قول رسول الله رغم أنف رجل: ٣٨٩١

(بخیل وہ شخص ہے جس کے پاس میرا تذکرہ ہو اور وہ درود شریف نہ پڑھے)

حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے متعین فرما دیئے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے رہتے ہیں۔(۱)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کو ایک فرشتہ آسمان تک لے جاتا ہے، یہاں تک کہ بارگاہ الٰہی میں اس کو پیش کیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو میرے بندے کی قبر کے پاس لے جاؤ، یہ اس کے لیے استغفار کرتا رہے، اور اس کے ذریعہ سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔(۲)

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس کو یہ پسند ہو کہ اس کو بڑے پیمانہ سے بھر بھر کر دیا جائے، اسے چاہیے کہ جب درود شریف پڑھے تو یہ الفاظ کہے:

"اللهم صل على محمد النبي وأزواجه أمهات المؤمنين وذريته وأهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد".(۳)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں کثرت سے آپ پر درود پڑھتا ہوں، تو میں اپنے معمولات سے اس کا کتنا حصہ رکھوں، آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو، میں نے عرض کیا کہ ایک تہائی؟ فرمایا: جو چاہو، زیادہ کرلو تو تمہارے لیے بہتر ہے، میں نے عرض کیا: دو تہائی؟ فرمایا: جو چاہو، زیادہ ہو تو اور بہتر ہے، میں نے کہا: تو درود شریف پڑھتا ہی رہوں، آپ نے فرمایا: اگر ایسا کرو گے تو تمہاری سب فکروں کے

---

(۱)سنن النسائی: ۴۳/۳، كتاب السهو، باب السلام على النبي: ۱۲۹۰

(۲)جلاءالافہام:۵۹

(۳)سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي بعد التشهد: ۹۸۴

لیے وہ کافی ہوگا، اور تمہارے گناہوں کی بخشش کردی جائے گی۔(۱)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور یہ کہے:

"اللهم أنزله المقعد المقرب عندك"

(اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن اپنے پاس قریب ترین مقام عطا فرما)

تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے میری شفاعت واجب فرمادیتے ہیں۔(۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"ان اللّٰه و كل بقبری ملكا أعطاه أسماع الخلائق فلا يصلی علي أحد الی يوم القيامة الا أبلغنی باسمه واسم أبيه هذا فلان ابن فلان قد صلی عليك"(۳)

(اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے، جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے، پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا، وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے، اس نے آپ پر درود بھیجا ہے)

ایک دوسری روایت میں ہے:

"من صلی علي عند قبری سمعته ومن صلی علي نائبا أبلغته"(٤)

---

(١)سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة، باب اذكروا اللّٰه: ٢٦٤٥

(٢)مسند احمد: ٤/١٠٨، رقم الحديث: ١٧٤٥٤

(٣)الترغيب والترهيب، كتاب الذكر والدعاء فی الاكثار من ذكر اللّٰه سرا و جهرا: ٢٥٧٤

(٤)رواه البيهقی فی شعب الايمان، باب فی تعظيم النبي صلی اللّٰه عليه وسلم: ١٥٨٣

(جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے، میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے)

درود شریف نہ پڑھنے کا وبال

درود شریف نہ پڑھنا آپ ﷺ کی حق تلفی ہے، اور یقیناً یہ سب سے بڑی محرومی ہے، حدیثوں میں جگہ جگہ اس کا تذکرہ ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے جس کے پاس میرا تذکرہ ہو اور وہ درود شریف بھول جائے تو گویا وہ جنت کا راستہ بھول گیا۔(۱)

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد نبوی میں منبر کے قریب تھے، آپ ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، پھر جب آپ فارغ ہوئے اور منبر سے نیچے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تو آپ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل ہمارے سامنے آئے تھے، اور انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کو رمضان کا مہینہ نصیب ہو اور اس کی مغفرت نہ ہو، میں نے کہا: آمین، پھر جب میں نے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہو اور وہ درود نہ پڑھے، تو میں نے کہا: آمین، پھر جب میں نے تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کو والدین میں سے دونوں یا ایک بڑھاپے میں ملیں اور وہ جنت کا سامان نہ کر سکے، میں نے کہا: آمین۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ

---

(۱) سنن ابن ماجة، کتاب اقامة الصلاة والسنة، باب الصلاة علی النبي: ٩٦١

(۲) صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب حق الوالدین: ٤٠٩ و حاکم فی کتاب البر والصلة: ٧٢٥٦

''اگر کوئی مجلس ایسی ہو کہ لوگ نہ اللہ کا ذکر کریں اور نہ مجھ پر درود پڑھیں تو ان کی وہ مجلس قیامت کے دن وبال ہوگی، اللہ چاہے تو معاف کرے اور چاہے تو مؤاخذہ فرمائے''۔(۱)

درود شریف پڑھنے کے خاص مواقع

درود شریف جتنا پڑھا جائے باعث خیر و برکت ہے، دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے، خاص طور پر جب آپ ﷺ کا نام نامی آئے، اس وقت درود پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے، کم از کم مجلس میں ایک مرتبہ اور اگر ہر مرتبہ کوئی درود پڑھے تو اس کے لیے بڑی فضیلت کی بات ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، متعدد روایات میں اس کی مختلف فضیلتوں کا تذکرہ ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ ہے، اسی میں پہلی صور پھونکی جائے گی، اور اسی میں دوسری صور پھونکی جائے گی، تو اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود میرے سامنے پیش ہوتا ہے۔(۲)

اسی طرح دعا سے پہلے درود شریف پڑھنے کا حکم ہے، ارشاد ہے:

"الدعا كله يحجب دون السماء حتى يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم فاذا جاء ت الصلاة على النبي رفع الدعاء"(۳)

(کوئی دعا آسمان تک نہیں پہنچتی بس جب مجھ پر درود پڑھا جاتا ہے تو دعا اوپر پہنچ جاتی ہے)

اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت دعا سے پہلے درود شریف

---

(۱)ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی القوم يجلسون ولا يذكرون الله: ۳۷۰۸

(۲)مسند احمد: ۴/۸، سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة،باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة: ۱۰۴۹

(۳)كنز العمال، كتاب الأذكار، باب فی الصلاة عليه: ۳۹۸۷

پڑھنے کا حکم ہے، صحیح حدیث میں اس کا تذکرہ ہے،(۱) اوراذان کے جواب سے پہلے بھی درودشریف پڑھنا چاہیے، مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جب مؤذن سے اذان سنوتو وہی کلمات دہراؤ، اور مجھ پر درود پڑھو، پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو، اس لیے کہ یہ جنت میں ایک خاص مقام ہے، جو اللہ کے ایک خاص بندے کو حاصل ہوگا، اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھے ملے گا، بس جو میرے لیے اس کی دعا کرے گا، اس کو میری شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔(۲)

اسی طرح خطوط میں، کتابوں میں بسم اللہ کے بعد درودشریف لکھنے کا معمول رہا ہے، ایک حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں:

"من صلى علي في كتاب لم تزل الملائكة تستغفر ما دام اسمي في ذلك الكتاب"(۳)

(کوئی اگر کسی نوشتہ میں مجھ پر درودشریف لکھتا ہے تو برابر فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں موجود رہے)



(۱) ملاحظہ ہو: سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب فيما يقوله الرجل عند دخوله المسجد: ٤٦٥ (۲) صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب القول: ٨٧٥
(۳) كنز العمال، في الصلاة عليه وعلى آله عليه الصلاة: ٢٢٤٣